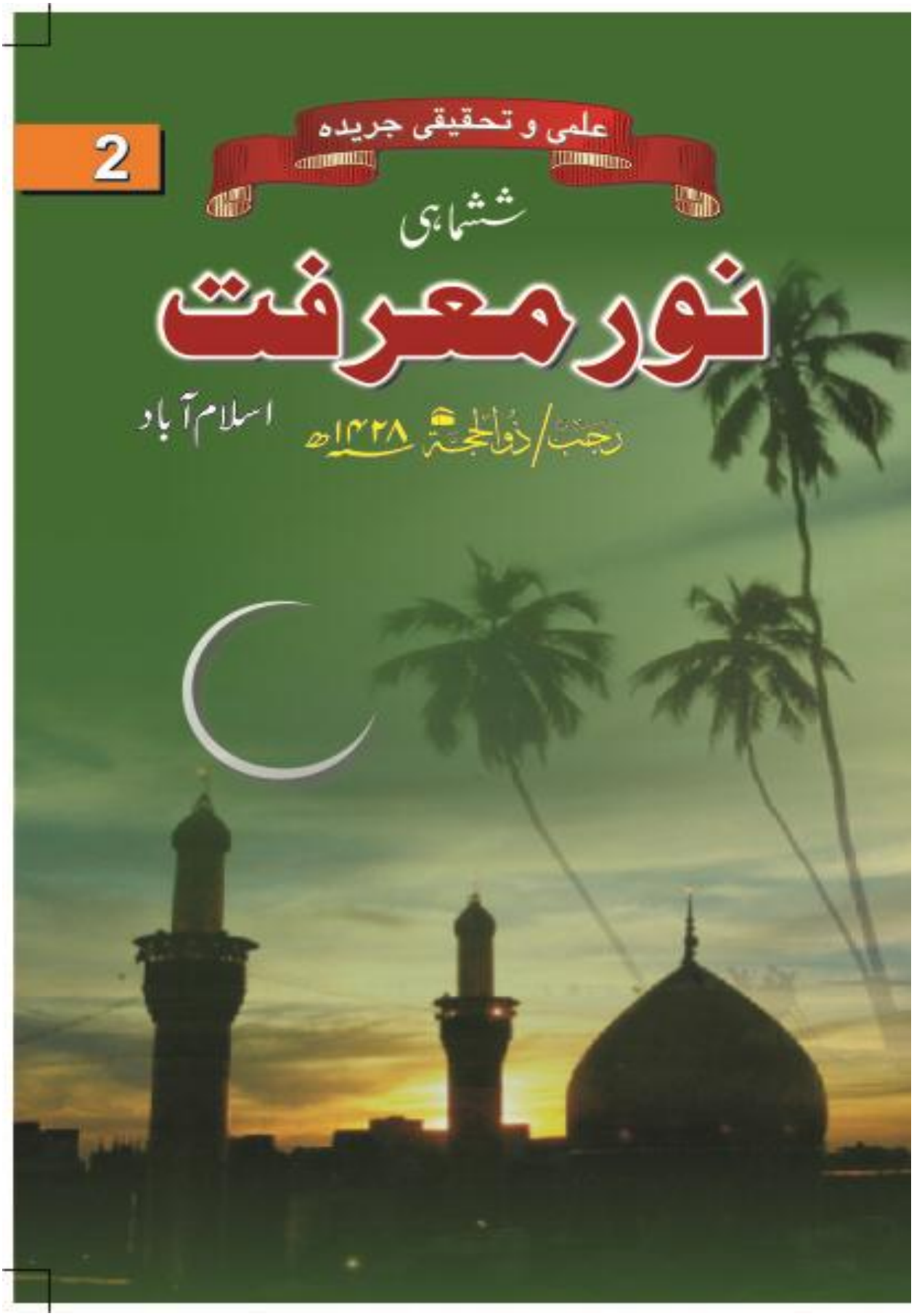
2
علمی و تحقیقی جریدہ
ششماہی
نور معرفت
رجب/ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ
اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَهۡدِیۡ اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَشَاءُ

اور اللہ اپنے **نور** کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ سورہ نور آیت ۳۶

ششماہی علمی وتحقیقی جریدہ

نُورِ معرفت

صرف ممبران کے لیے

جلد ۱ رجب تا ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ شمارہ ۲

مدیر مجلہ: سید رمیز الحسن موسوی

مجلس مشاورت	مجلس ادارت
ڈاکٹر حسنین نادر	سید حسنین عباس گردیزی
جعفر علی میر	سید ثمر علی نقوی
سید نثار علی ترمذی	محمد اصغر عسکری
ملک اعجاز حسین	محمد جعفر خوارزمی
اقرار حسین جعفری	

کمپوزنگ ☆ سرورق علی طاہر حسینی

یکی از مطبوعات:

شعبہ تحقیق نورالھدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِوْا **نُوْرَاللّٰهِ** بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ **نُوْرِهٖ** وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ **نور خدا** کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے **نور** کو مکمل کرنے والا ہے چاہے یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ ﴿الصّف۔8﴾

حدیث نبویؐ: انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلو أبدا وانھما لن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض

ترجمہ: حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: ﴿میں تمہارے درمیان **دو** گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (ایک) **کتاب خدا** اور (دوسری) میری **عترت اہل بیتؑ** اگر تم نے ان کا دامن تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں﴾

صحیح مسلم: ۷/۱۲۲، سنن دارمی: ۲/۴۳۲۔ مسند احمد: ج ۳۔۱۴، ۱۷۔۲۶، ۴/۵۹، ۳۶۶۔۳۷۱ ۵/۱۸۲۔ اور مستدرک حاکم: ۳/۱۰۹۔۱۴۸، ۵۳۳۔ وغیرہ

رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای فرماتے ہیں:

اپنی امت بلکہ انسانیت کے لئے یہ درس ہے کہ وہ صاحب علم، قوی اور بہادر ہوں۔ اخلاقیات اور انسانی کرامت کا پاس اور لحاظ رکھیں آپس میں ہمدرد و مہربان اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم اور با عزت مجاہد بنیں ہمارے لئے ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ نے ہمیں اخلاق عزت تحصیل علم رحمت وکرامت اوروحدت کے بارے میں جو تعلمیات دی ہیں، اور جو ہماری زندگی کے لئے ضروری ہیں انہیں ہم اپنی زندگی میں شامل کریں۔

فہرست مطالب

اداریہ: دینی مدارس اور عصری تقاضے

عروج وزوال اُمت، قرآن کی روشنی میں

از: سید حسنین عباس گردیزی (۱)

حدیث الغدیر (من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ)

از: نظر محقق دیوبندی (۱۳)

توحید عملی اور اس کے انسانی زندگی پر اثرات

از: سید ثمر علی نقوی (۴۹)

امامت وخلافت، علم کلام کا ایک اہم باب

از: محمد اصغر عسکری (۶۵)

فقہ اہل بیت میں بچوں کے حقوق

از: سید رمیز الحسن موسوی (۷۷)

ارسال الیدین: ''نماز میں ارسال الیدین کے جواز اور تکتف کی حرمت کے بارے میں ایک تحقیق''

از: ابن ذاکر موسوی (۸۸)

دعائے ندبہ: اسناد اور تعلیمات کی روشنی میں

از: سید حسنین عباس گردیزی (۱۱۰)

التبیان فی تفسیر القرآن

از: سید رمیز الحسن موسوی (۱۲۷)

علمائے امامیہ کی اردو زبان میں تفسیری خدمات

از: جناب سید نثار علی ترمذی (۱۳۳)

اداریہ

دینی مدارس اور عصری تقاضے

عصر حاضر میں دینی مدارس کے لیے تین امور انتہائی ضروری ہیں: ایک تحول وتبدل، دوم عمق وگہرائی، سوم وسعت وپھیلاؤ۔ تحول وتبدل اس لیے ضروری ہے: چونکہ زمانے کے ساتھ ساتھ انواع واقسام کی تبدیلیاں وجود میں آرہی ہیں۔ لہٰذا دینی مدارس کو اپنا یہ دعویٰ ثابت کرنے کے لیے کہ دین اسلام ایک جاودانی دین ہے اور ہر زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے: لہٰذا ہمیں زمانے کی رفتار کے ساتھ اپنی رفتار بھی بڑھانی ہوگی اور زندگی میں جس قدر تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں: ان کے ساتھ اپنے آپ کو بھی تبدیل کر کے شرعی مسائل کو زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہوگا۔

عمق وگہرائی اس لیے ضروری ہے کہ یہ زمانہ پیچیدہ ترین مسائل کا زمانہ ہے۔ جن کے حل کے لیے جہاں دین نے گہرے اور عمیق معارف پیش کیے ہیں وہاں دین کے داعیوں کو بھی سطح نظری سے ہٹ کر گہرائی اور عمق اختیار کرنا پڑے گا ورنہ زمانے کی رفتار کے ساتھ چلنا مشکل ہوجائے گا۔

وسعت وپھیلاؤ اس لیے لازم ہے کہ زمانہ حاضر میں انسانوں کی ضروریات اور اختیاجات بھی پھیل چکی ہیں۔ آئے دن نئے سے نئے موضوعات سامنے آرہے ہیں؛ انواع اقسام کے مسائل درپیش ہیں۔ لہٰذا جتنے موضوعات زیادہ ہوں گے اسی قدر ان کے احکام میں بھی وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔

ان سب باتوں کے علاوہ دشمن کی طرف سے پروپیگنڈے میں اس قدر اضافہ ہو چکا ہے کہ شاید گزشتہ زمانے میں جو پروپیگنڈہ ایک سال کے عرصے میں کیا جاتا تھا وہ اب ہفتوں اور دنوں میں کیا جانے لگا ہے۔ اور اس وقت دین اسلام اور مکتب اہل بیتؑ جس قدر زہریلے پروپیگنڈے کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ شاید تاریخ کے کسی دوسرے دور میں ایسا پروپیگنڈہ نہ کیا گیا ہو۔ اور پھر اس پروپیگنڈے اور شبہات واعتراضات میں بھی ایک خاص قسم کی پیچیدگی اور گہرائی پائی جاتی ہے لہٰذا جو شخص یا ادارہ اردینی مرکز اس قسم کی پیچیدگی اور گہرائی کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ اس کے مقابلے میں دین کا دفاع بھی نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف جہاں اہل کفر ونفاق کی یلغار میں اضافہ ہوا ہے اور پیچدگی وگہرائی پیدا ہوئی ہے؛ وہاں صدیوں سے فکری، روحانی اور جسمانی ومادی لحاظ سے پسے ہوئے انسان کو بھی پناہ گاہ کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ لہٰذا انسان کا ایک ہجوم ہے

کہ دین اسلام اور روحانیت ناب کی طرف اُمڈتا چلا آرہا ہے۔ گزشتہ بیس سالوں میں جس قدر ستمدیدہ انسانوں نے اسلام کی پُرامن آغوش میں پناہ لی ہے، اس قدر شاید پچھلے دوسو سال میں بھی نہیں لی۔ خصوصاً اس سلسلے میں مکتب اہل بیت اطہارؑ کی طرف مسلمو غیر مسلموں کا رجوع بہت زیادہ ہو چکا ہے۔

یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوتا ہے کہ جب مشرقی بلاک شکست سے دوچار ہوتا ہے اور کیمونزم کے بے بنیاد پروپیگنڈے کا پول کھلتا ہے اور اسلام ایک دم تمام استعماری اور استکباری تہذیبوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور مغربی بلاک کی تمام شیطانی قوت ایک جگہ متمرکز ہو جاتی ہے۔ اور پھر ۹/۱۱ کے بعد تو یہ کیفیت اور بھی شدت اختیار کر لیتی ہے اور کفر و نفاق کا کٹھ جوڑ دنیائے اسلام کو تباہ کرنے کے لیے میدان کارزار میں اُتر جاتا ہے اور عراق و افغانستان جیسے دو اہم ترین مسلمان ملک کفر نفاق کے اس اتحاد کا نشانہ بنتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی پاکستان عزیز پھر بھی عالمی استکباری سازشوں کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو اس وقت حقیقی اسلام کے ماننے والے ثقافتی اور عسکری یلغار کے سامنے اپنے آپ کو تن تنہا محسوس کرنے لگتے ہیں۔

یہاں سے دینی مدارس کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے؛ جنہیں اب بے حس سے بے حس انسان بھی محسوس کرتا ہے۔ اور اس کی نظریں فقط وفقط دینی قوتوں، دینی اداروں اور مدارس کی طرف اُٹھتی ہیں۔ اس کی دوسری بڑی دلیل یہ ہے کہ دشمنان اسلام اس چیز کو ہم سے پہلے سمجھ جاتے ہیں اور پہلے سے دینی مدارس کے کردار کو مشکوک بنانے کی منصوبہ بندی شروع کر دیتے ہیں اور نام نہاد دینی اداروں کے ذریعے حقیقی دینی اداروں کی افادیت کو زیر سوال لے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ آبادی میں بے پناہ اضافے نے بھی دینی مدارس کی وسعت اور پھیلاؤ کے تقاضے کو مزید بڑھا کر دیا ہے اور آبادی کے تناسب سے ملک میں دینی مدارس کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے لیکن کمیت میں اضافے کے ساتھ کیفیت میں اضافہ نہیں ہو سکا جو ہمارے دینی مدارس کا زمانے کی رفتار سے ہم آہنگ نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

مذکورہ بالا تمام نکات کے پیش نظر اگر دینی مدارس اپنی ذمہ دایوں سے پہلو تہی کرتے ہیں اور کیفیت وکمیت کے لحاظ سے اپنی گزشتہ چال کے مطابق ہی چلتے ہیں اور زمانے کی رفتار کے مطابق قدم نہیں اُٹھاتے اور عصر حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کو مدنظر نہیں رکھتے تو انہیں بہت جلد بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور شاید یہ مشکلات اب شروع ہو چکی ہیں۔ اور اسلام کا سفینہ ہم داعیان اسلام کی غفلت، کاہلی اور زمان

ومکان کے تقاضوں سے بے ہنگم رفتار کی وجہ سے متزلزل ہے۔ یہاں اسلام کے متزلزل ہونے سے یہ مراد نہیں کہ خود دین اسلام خطرے میں ہے؛ ایسا نہیں ہے چونکہ اگر پوری دنیا بھی اسلام سے منہ موڑ لے اور خدا کی خدائی کا انکار کر دے تو خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور دین پر کسی قسم کی آنچ نہیں آئے گی۔ بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ اسلام کے ماننے والوں کا اسلام پر ایمان خطرے میں ہے۔

اس سے بھی زیادہ اہم نکتہ یہ ہے کہ موجود دور میں ''مذہبی مسائل''، سیاسی مسائل کے ساتھ کچھ اس طرح مخلوط ہو چکے ہیں کہ دشمن اپنے سیاسی مسائل کی خاطر مذہبی مسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی جدید مذہب بنائے جاتے ہیں؛ کبھی حقیقی مذہب کی تعلیمات کو بگاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کبھی اسلام ناب محمدیؐ کے مقابلے میں امریکائی کو لایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کی جاتی ہے۔

یہ وہ نکتہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں ''مذہبی مسائل'' سیاسی مسائل کے ساتھ کچھ اس طرح مخلوط ہو چکے ہیں کہ دشمن اپنے سیاسی مسائل کی خاطر مذہبی مسائل زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی جدید مذہب بنائے جاتے ہیں؛ کبھی حقیقی مذہب کی تعلیمات کو بگاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کبھی اسلام ناب محمدیؐ کے مقابلے میں اسلام امریکائی کو لایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یہی وہ نکتہ تھا کہ جس کی طرف امام خمینیؒ نے اُمت مسلمہ اور خصوصاً دینی مدارس کو بارہا متوجہ کرانے کی کوشش کی اور دینی مدارس کو دشمن شناسی کی تاکید کی ہے۔

یہ وہ مسائل ہیں کہ جن کے بارے میں دینی مدارس کے ہر ذمہ دار انسان کا فکرمند ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ اگر ہم ان مسائل و مشکلات کو محسوس کرنے کے باوجود اپنی رفتار اور زمانے کی رفتار میں ہم آہنگی پیدا نہیں کرتے تو ہم اپنے ہاتھوں سے عظیم اسلامی تمدن کو تباہ کر رہے ہیں کہ جس کی پہلی بنیاد یہی دینی مدارس اور ادارے ہیں۔ چونکہ دینی مدارس و علمائے دین کے بغیر حقیقی اسلام کا تصور محال ہے اس حقیقت کے بارے میں امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ''بغیر علماء کے اسلام ایسے ہی ہے جیسے کوئی مملکت بغیر طبیب کے ہو۔۔۔۔ یہ حوزہ ہائے علمیہ ہیں کہ جنہوں نے ابھی تک اسلام کو زندہ رکھے ہوئے ہے اگر علمائے دین نہ ہوتے تو آج اسلام کا نام ونشان نہ ہوتا''۔

مدیر مجلّہ

دینی مدارس کے اساتذہ اور طلاب سے اپیل

ششماہی نور معرفت ،علمی ،تحقیقی اوردینی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلاب کے درمیان علمی وتحقیقی شوق وجستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ جریدہ تمام مدارس اوردینی اساتذہ وطلاب سے متعلق ہے۔لہذا اس سلسلے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء ہمیں اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔آپ سے گذارش ہے کہ اپنی دینی وعلمی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کے لئے ارسال کریں۔تحقیقی اور علمی تحریروں کا کھلے دل سے استقبال کیا جائے گا۔

فرقہ وارانہ اور حوالہ جات کے بغیر تحریریں ارسال نہ کی جائیں۔

ادارہ نورمعرفت اسلام آباد

عروج و زوال اُمت
قرآن کی نظر میں

حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اس میں بہت سارے موضوعات پر گفتگو اور بحث کی گئی ہے ۔ان موضوعات میں سے ایک اہم موضوع گذشتہ اقوام اور معاشروں کے حالات ہیں۔

قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ گذشتہ معاشروں اور قوموں کی داستان اور واقعات پر مشتمل ہے۔اس موضوع پر قرآن نے واقعات اور سرگذشتوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اقوام کی ترقی اور زوال کے اصول وقوانین بھی بیان کیے ہیں جو اپنے اندر آئندہ اقوام اور معاشروں کے لیے ہدایت کا عنصر لیے ہوئے ہیں۔قرآن حکیم نے ان اصول وقوانین کے لیے''سنت'' یا''سنن'' کی تعبیر استعمال کی ہے۔''سنن'' سنت کی جمع ہے۔لغت میں اس کا معنی روش، طریقہ۔اسلوب، طبیعت اور شریعت بیان کیا گیا ہے: مفسرین نے بھی لغوی معنی سے ہم آہنگ معنی مراد لیے ہیں علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں سنت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''السنن جمع وهي الطريقه المسلوكه في المجتمع ''

سنن ،سنت کی جمع ہے اور اس سے مراد معاشرے کا وہ طریقہ کار ہے جس پر وہ چلتا ہے ۔ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں۔

''والسنة هي الطريقة والسيرة''[1]

سنت معمول اور رائج طریقے کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں دس سورتوں کی گیارہ آیات میں سولہ ۱۶ مرتبہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے ۔اور اس سے مراد انسان اور انسانی معاشرے کے متعلق خالق کائنات کی تبدیل نہ ہونے والی دائمی روش اور طریقہ کار ہے۔ رشاد خداوندی ہے۔

''قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ''[2]

﴿تم سے پہلے کچھ سنتیں گزر چکی ہیں اب تم زمین میں گھوم پھر کر دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔﴾

قرآن مجید ان سنتوں میں تغیر وتبدل کے امکان کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

'' وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ہ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا '' ۳۔

﴿اگر یہ کفار تم سے جنگ کرتے تو یقیناً منھ پھیر کر بھاگ جاتے اور پھر انہیں کوئی سرپرست اور مددگار نصیب نہ ہوتا یہ اللہ کی ایک سنت ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے اور تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے﴾ قرآن مجید میں ان سنن کی ایک خاصیت ان کا عمومی اور بین الاقوامی ہونا بیان ہوئی ہے۔ **'' سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا '' ۴۔** ﴿یہ خدائی سنت ان لوگوں کے بارے میں رہ چکی ہے جو گذر چکے ہیں اور تم الٰہی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے﴾ اسی آیت سے ان اصول وقوانین (سنن) کا دائمی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اب قرآن اصول وقوانین کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف دیتا ہے اس رو سے انہیں سنن الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امت کے لیے حیات اور موت کا تصور

قرآن کی نظر میں ایک فرد کی طرح ہر امت اور معاشرے کی زندگی کے مختلف مراحل ہیں، ہر ایک کا انجام مشخص ومعین ہے دوران اور مدت معلوم ہے، اس کا دوام اور بقاء بھی معلوم ہے اور اس کے کردار اور خصوصی نامہ اعمال کا بھی ایک معیار ہے ان مراحل کے گزرنے کے بعد آخر کار اس کی بساط زندگی لپیٹ دی جاتی ہے اور وہ قصہ پارینہ بن جاتا ہے:

قرآن مجید متعدد آیات میں قوموں کی حیات اور موت کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن اس سنت الٰہی کو بیان کرتا ہے کہ ہر امت اور ملت کے لیے خاص پروگرام ہے جس میں اس کا مطلوب یا نا مطلوب کردار، اس کی زندگی کی مدت اور موت کا وقت، اسی طرح اس کے زوال کے اسباب مندرج ہیں۔ جس کا علم پروردگار کے پاس ہے۔

''وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ'' (۵)

﴿ہر قوم کے لیے ایک مدت معین ہے جب بھی ان کی مدت ختم ہو جائے گی تو اس سے وہ لوگ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔﴾

''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا

كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ O مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ O(٦)''

﴿اور ہم نے کسی بستی والوں کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے میعاد مقرر کر دی تھی کوئی اپنے وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے﴾۔

''وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْمُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ط كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا(٧)''

﴿اور کوئی نافرمان آبادی ایسی نہیں ہے جسے ہم نے قیامت سے پہلے برباد نہ کریں یا اس پر شدید عذاب نہ نازل کر دیں کہ یہ بات کتاب میں لکھ دی گئی ہے۔﴾

امتوں کا عروج وزوال

اقوام عالم اور انسانی معاشروں سے متعلق دوسری خصوصیات جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔وہ ان کا عروج وزوال ہے ہر قوم اور امت کے لیے ایک عروج ہے اور پھر زوال کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس سنت الٰہی کو یوں پیش کیا گیا ہے۔

'' قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ O هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ O وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ج وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ O وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ٨

﴿تم سے پہلے روشیں گزر چکی ہیں اب تم زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ عام انسانوں کے لیے حقائق ہیں اور صاحبان تقویٰ کے لیے ہدایت ونصیحت ہے آگاہ ہو،تم سستی اختیار نہ کرنا مصائب پر محزون نہ ہونا اگر تم صاحب ایمان ہو تو سر بلندی تمہارے ہی لیے ہے، اگر تمہیں کوئی تکلیف چھو لیتی ہے تو قوم کو بھی اس سے پہلے ایسی ہی تکلیف پہنچ چکی ہے اور ہم تو زمانے کو لوگوں کے درمیان الٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں تاکہ خدا صاحبان ایمان کو دیکھ لے اور تم میں سے بعض کو شہدا قرار دے اور وہ ظالمین کو دوست نہیں رکھتا ہے اور خدا صاحبان ایمان کو چھانٹ کر الگ کر دینا چاہتا ہے اور کافروں کو مٹا دینا چاہتا ہے۔﴾

اسی طرح سورہ یونس کی آیت نمبر۳ ۔اور۴۔ اور سورہ ابراہیم کی آیت نمبر۱۴ میں اسی مطلب کو واضح کیا گیا ہے۔

عروج و زوال کے عوامل

قرآن مجید اُمتوں کی عزت وسربلندی اور ذلت و پستی کے حقیقی علل واسباب کو بیان کرتا ہے۔قرآن ہماری اس طرف راہنمائی کرتا ہے کہ ان علل واسباب کو تلاش کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ تم آسمانوں اور زمیں میں ان کا کھوج لگاؤ، انہیں قدرت اور طبیعت وعالم میں تلاش کرو بلکہ انہیں اپنے اندر ڈھونڈو اور اس کی اپنے درمیان جستجو کرو تم انہیں اپنے فکر ونظر،عقیدے،اخلاقی اور معاشرتی نظام کی بنیادوں میں تلاش کرنے کی کوشش کرو۔تم اپنی ان چیزوں میں غور فکر کرو۔وہ قومیں جنہوں نے تفکر و تدبر کو بروئے کار لایا، اخوت وبرادری اور اتحاد کا دامن تھاما، اپنی اصلاح کے لیے پختہ عزم وارادے سے کوشش کی وہ ترقی کی بلندیوں پر پہنچیں اور جب تلاش وکوشش کی جگہ سستی اور جمود نے لے لی جب غفلت اور جہالت علم وآگہی کی جاگزین ہوئی پاکیزگی اور تقویٰ کے مقام پر آلودگیاں اور برائیاں آگئیں تفرقہ اور گروہ بندی نے اتحاد واخوت کو پارہ پارہ کر دیا تو اس صورت حال میں فکر ونظر، اعمال اور رویوں میں اس نامطلوب تبدیلی کا نتیجہ شکست و انحطاط کی صورت میں نکلا۔قرآن ایک کلی قانون اور اصول بیان کرتا ہے جو اقوام عالم اور انسانی معاشرے کے متعلق اسلام کی نظر اور رائے کو واضح کرتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ تمہاری تقدیر ہر عامل سے پہلے اپنے تمہارے ہاتھوں میں ہے۔امتوں میں ہر قسم کی ترقی اور زوال، معاشروں کی عظمت وذلت پہلے مرحلے میں خود ان کی طرف لوٹتی ہے۔ بخت ‘اقبال، اتفاقات، حادثات، ملکی حالات اور اس طرح کی دیگر چیزیں معاشروں کے عروج وزوال میں ذکر بھی موثر نہیں ہیں ان میں کوئی امر بھی امتوں کی ترقی زوال کی بنیاد نہیں بنتا یہ خود امت اور معاشرہ ہے جو اپنی خوشحالی خوش بختی اور ترقی وعروج کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے یا وہ اپنی ہلاکت اور تباہی کو دعوت دیتا ہے اور اس کے اسباب مہیا کرتا ہے یہاں تک کہ لطف الٰہی اور عذاب الٰہی بھی معاشروں اور اقوام کے حالات کو مدنظر رکھے بغیر نہیں ہوتا۔ یہ معاشروں اور اقوام کے اپنے ارادے اور خواہشات ہیں اور ان کے اندر ہونے والی پسندیدہ اور ناپسندیدہ تبدیلیاں ہیں جو انہیں رحمت الٰہی یا عذاب الٰہی کا مستحق بنا دیتی ہیں

قرآن کریم مختلف عنوانات اور مختلف مناسبتوں سے اس سنت کو بیان فرماتا ہے کہ معاشرتی تبدیلیاں اور اجتماعی انقلاب ، افراد اور معاشروں کی اندرونی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔اس دائمی سنت کو متعدد آیات میں موضوع سخن قرار دیا گیا ہے۔
جنہیں چند جزئی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ انقلاب اپنے اندر سے:

قرآنی آیات کا حصہ اس حقیقت کی طرف ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ اگر قومیں اور امتیں اپنے حالات کو بدلنا چاہتی ہیں اپنے اندر اجتماعی سطح پر بہتری اور ترقی کی خواہاں ہیں انہیں ادھر اُدھر نہیں دیکھنا چاہیے، انہیں بیرونی امداد پر امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہیں ۔ان کی نظریں بیرونی دنیا پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ انہیں تبدیلی کا آغاز اپنے آپ سے کرنا چاہیے اپنی اندرونی حالت کو بدلنا چاہیے کیونکہ ہر قسم کی اجتماعی تبدیلی ، اندرونی تبدیلیوں کی مرہون منت ہے

ارشاد خداوندی ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُمَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْامَا بِاَنْفُسِهِمْ (۹)"

﴿بے شک کسی قوم کے حالات اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے﴾ دوسرے مقام پر قرآن کریم فرعونیوں کے اوج قدرت اور شان و شوکت کے بعد عبرتناک زوال کو ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

"كَدَاْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرً اِنِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْ امَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰه سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ"

(۱۰) ﴿(مشرکین کے) اس گروہ کی حالت آل فرعون اور ان سے پہلے والوں کی طرح ہے انہوں نے آیات الہیہ کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان گناہوں کے سبب گرفت میں لے لیا کہ اللہ قوی بھی ہے اور سخت عذاب دینے والا بھی۔ یہ اس لیے کہ خدا کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے تئیں بدل نہ دیں بے شک اللہ سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی ہے﴾

۲۔ عمل اور رد عمل :

آیات کی یہ قسم اس واقعیت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ ہر امت اور معاشرے کی سعادت یا ہلاکت ان کے شائستہ یا مناسب عمل و کردار کا نتیجہ ہے اس سعادت اور ہلاکت کی بازگشت قوانین اور سنن

الٰہی کی روشنی میں خود انہی کے کردار عمل کی طرف ہوتی ہے۔سعادت وخوش بختی اور اسی طرح ذلت ورسوائی اور ہلاکت وتباہی ان کے اعمال کا ردعمل ہے اور یہ ایک کلی اصول ہے جو تمام معاشروں اور اقوام کے درمیان کارفرما ہے۔ارشاد الٰہی ہے:۔

''اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا (۱۱)

﴿اگر تم نیک عمل کرو گے تو اپنے لیے اور بُرا کرو گے تو بھی اپنے لیے:﴾

''عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ وَاِنۡ عُدۡتُمۡ عُدۡنَا (۱۲)''

﴿امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں بخش دے لیکن اگر تم نے دوبارہ خرابی کی تو ہم سزا دیں گے﴾۔

''مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ۝ (۱۳)''

﴿جو کفر کرے گا وہ اپنے کفر کا ذمہ دار ہوگا اور جو نیک عمل کرے گا وہ اپنے لیے راہ ہموار کرے گا﴾۔

''مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا (۱۴)''

﴿جو بھی نیک عمل کرے گا وہ اپنے لیے کرے اور جو بُرا کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا﴾!

''قُلۡ يٰعِبَادِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ''۱۵

﴿کہہ دیجیے کہ اے میرے ایمان دار بندو! اپنے پروردگار سے ڈرو جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے اچھائی ہے﴾۔

۳۔ انسانی اعمال کے مقابلے میں عالم طبیعت کا رد عمل :

آیات کا یہ حصہ جہاں، عالم طبیعت کے اجزاء و ذات کے خصوصی شعور وادراک پر دلالت کرتا ہے ۔وہاں انسان اور عالم طبیعت کے درمیان ایک خاص قسم کے رابطے کی نشان دہی کرتا ہے۔اور اس رابطے کو سنت الٰہی کے طور پر متعارف کراتا ہے:۔ ارشاد پروردگار ہے۔

''وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝ ''۱۶

﴿اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان کے لیے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا﴾۔

"وَّاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (۱۷)"

﴿اور اگر یہ سب لوگ ہدایت کے راستے پر ہوتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کرتے﴾

٤۔ ھر امت اور معاشرہ اپنے عمل کا گروی ھے

اس حقیقت کو قرآن نے "**عمل**"، "**کسب اور سعی**" وغیرہ کے الفاظ سے واضح کیا ہے۔

" **تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ** "[۱۸]

﴿یہ قوم تھی جو گزر گئی انہیں وہ ملے گا جو انہوں نے کمایا اور تمہیں وہ ملے گا جو تم کماؤ گے﴾

"**وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ۝ (۱۹)"

﴿اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے اعمال کی بنا پر بعض پر مسلط کر دیتے ہیں﴾۔

"وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِ نْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۲۰)"

﴿اور انسان کے لیے ہے جتنی اس نے کوشش کی﴾

۵۔ فلاح ونجات تزکیہ اور تعمیر کردار میں ھے

آیات کی پانچویں قسم یہ اصول بیان کرتی ہے کہ ہر فرد کی دنیا و آخرت میں فلاح ونجات اقدار کی پاس داری اور اس کے متضاد امور سے پاکیزگی اور طہارت میں مضمر ہے۔ دلوں کی پاکیزگی، نفوس کی طہارت، نظریات وافکار کی پاکیزگی، گفتار وکردار کا طاہر ہونا ہی کامیابی کا ضامن ہے اور اسے بقاو دوام حاصل ہو سکتا ہے۔ انبیاء الٰہی کا عظیم فریضہ افراد اور معاشرہ کو ہر قسم کی آلودگیوں اور پلیدگیوں سے پاک کرنا اور انہیں طاہر بنانا ہے۔ اس مطلب کو قرآن مجید نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا

"**قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا** ۝ (۲۱)"

﴿بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور نامراد ہو جس نے اسے آلودہ کر دیا﴾

اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہلاکت، ذلت وخواری ان کا مقدر ہوگی اس حقیقت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"**ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِيْنَ** ۝ ۲۲

﴿لوگوں کے اعمال کے باعث فساد خشکی اور تری

ہر جگہ غالب آ گیا تا کہ خدا انہیں ان کے کچھ اعمال کا مزا چکھا دے۔ شاید یہ لوگ راستے پر پلٹ آئیں آپ کہہ دیجیے کہ ذرا زمین میں گھوم پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا جن کی اکثریت مشرک تھی﴾۔

۲۔ امتوں کے انحطاط اور ترقی کے عوامل

امتوں کا انحطاط اور ترقی پہلے مرحلے پر ان کے خالق کائنات کے ساتھ ارتباط کی کیفیت پر منحصر ہوتا ہے اگر کسی امت نے اپنے پرودرگار کی صحیح معرفت حاصل کی، فکر ونظر اور عملی لحاظ سے اس پر ایمان لے آئی اور صراط مستقیم کو اپنے لئے منتخب کیا اور تقوی کو اپنا شعار بنایا تو ایسی امت یقیناً ترقی کرے گی ۔اور اگر حق کا انکار کیا اور آیات الہی کے مقابلے پر سرکشی کو زوال وسقوط اس کا مقدر ہوگا۔ قرآن اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ وحی کی تکذیب، ہٹ دھرمی اور عناد وکفر اختیار کرنا، آیات الہی کے سامنے متکبرانہ رویہ اپنانا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کرنا، حق سے روگردانی، معبود حقیقی اور یکتا کے علاوہ سر پرست اور معبود بنانا، مشرکانہ عقائد رکھنا اور عملی طور پر شرک کرنا، پیغمبروں کی تحریک اور تعلیمات کے سامنے سرکشی اور ان کے خلاف ڈٹ جانا، عصیان، گناہ، برائیوں کا رواج اور ہوا پرستی امتوں اور معاشروں کے انحطاط کے موجب ہیں اب ان عنوانات کے بارے میں قرآن کی چند آیات بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ تکذیب آیات :

آیات قرآنی کا ایک حصہ تکذیب آیات عناد و تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کفر کا راستہ اختیار کرنے کو انحطاط و تنزل کا سبب قرار دیتا ہے۔ارشاد رب العزت ہے۔

"ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْ بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ"(۲۳)

﴿یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی پس آپ ان قصوں کو بیان کریں شاید یہ غور وفکر کرنے لگیں کس قدر بری مثال ہے اس قوم کی جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ لوگ اپنے ہی نفس پر ظلم کر رہے تھے﴾۔

سورہ قمر میں بعض اُمتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات اور اُمتوں کی طرف سے ان کی تکذیب اور س کے نتیجے میں ان کے عبرتناک انجام کو بڑی صراحت سے بیان کیا ہے

"كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ"o "اِنَّا اَرْسَلْنَا

عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّستَمِرٍّ(۲۴)"

﴿اور قوم عاد نے جھٹلایا تو ہمارا عذاب اور ڈرارنا کیسا رہا ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیج دی ایک مسلسل نحوست والے منحوس دن میں﴾۔

۲۔ وہ آیات جو قرآن کے سامنے مستکبر انہ رویوں کو زوال کا عامل گر دانتی ہیں

" وَقَارُوۡنَ وَفِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كَانُوۡا سَابِقِيۡنَ ه فَكُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡبِه "۲۵

﴿اور قارون وفرعون و ہامان کو بھی یاد دلاؤ جن کے پاس موسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تو ان لوگوں نے زمین میں استکبار سے کام لیا حالانکہ وہ ہم سے آگے بڑھ جانے والے نہ تھے پھر ہم نے ایک کو اس گناہ میں گرفتار کرلیا﴾

۳:۔ غیر خدا کو اپنا سر پرست اور ولی بنانا :

قرآن مجید سورہ عنکبوت میں بعض سرکش اور نافرمان امتوں کے درد ناک اور افسوس ناک انجام کو بیان کرنے کے بعد ایک خوب صورت اور گویا مثال کے ذریعے ایک کلی اصول بیان کرتا ہے کہ جو اُمت اور خدائے واحد کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی سر پرست مانے گا درحقیقت اس نے کمزور ترین سہارا ڈھونڈا ہے:۔ارشاد ہوتا ہے۔

"مَثَلُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا وَاِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ه وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعۡقِلُهَآ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ۲۶

﴿وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا سر پرست بنائے وہ مکڑی کی طرح ہیں جس نے گھر بنایا اور کمزور ترین گھر مکڑی کا ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوتے﴾ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے دیتے ہیں اور ان میں غور وفکر نہیں کرتے مگر علماء۔۔۔

٤۔ بنیادی ترین عامل "ظلم" ھے

عدل وانصاف کے راستے سے انحراف اور ظلم وستم کا ارتکاب امتوں کے زوال اور ہلاکت کا بنیادی ترین عامل ہے۔اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ سنت کی تائید گہرے عقلی اور معاشرتی اصولوں کے ساتھ ساتھ تاریخی تجربات اور واقعات بھی

کرتے ہیں ۔قرآن کی بہت سی آیات اس حقیقت کوروشن کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

''وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاالْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّاظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْ لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَo '' ؏

﴿بتحقیق ہم تم سے پہلے کئی امتوں کو جب انہوں نے ظلم کیا، ہلاکت سے دو چار کر چکے ہیں ان کے پاس روشن دلائل کے ساتھ ان کے رسولؑ آئے اور وہ ایمان نہیں لائے ہم اسی طرح مجرم قوم کوسزا دیا کرتے ہیں﴾

''وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍكَانَتْ ظَالِمَةٌ وَّاَنْشَاْنَابَعْدَهَا قَوْماً ءَاخَرِيْنَ'' (۲۸)

﴿ہم نے کتنے شہروں اور آبادیوں کوان کے ظلم کی بنا پر تباہ و برباد کیا ان کے بعد دوسری قوم کو وہاں آباد کیا﴾

''وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٓ ءِ الَّاوَأَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَo'' (۲۹)

﴿ہم نے کسی شہر اور آبادی کو نابود نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے باسی ظالم اور ستم گر تھے﴾۔ اسی طرح قرآن مجید کی دیگر متعدد آیات اقوام عالم کے ظلم وستم اوران کے عدل وانصاف کو پائیمال کرنے کو ان کی ہلاکت اور نابودی کا عامل بتاتی ہیں۔(۳۰)

۵۔اجتماعی فریضہ دعوت حق کا انجام نہ دینااور اعلیٰ انسانی اقدار کی ترویج نہ کرنا:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک اجتماعی فریضہ ہے۔اس کے ذریعے سے فرائض الٰہی قائم ہوتے ہیں اور برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے اعلیٰ انسانی اقدار کی ترویج ہوتی ہے اور انسانیت کے خلاف اور معاشروں کی تعمیر وترقی میں رکاوٹ بننے والے امور کی روک تھام ہوتی ہے۔قرآن مجید پیغمبر اکرمؐ کی عظمت اور شخصیت کو فرما تا بیان ہے۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَٰهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَٰٓئِث وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۳۱)

﴿یہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے ۔برائی سے روکتا ہے پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال قرار دیتا ہے۔ ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اوران کے کاندھوں سے بوجھ ہلکا کرتا ہے اور تمام طوق زنجیروں سے انہیں رہائی دلاتا ہے جہنوں نے ان

کے جسم اور فکر کو جکڑ دیا تھا۔﴾ قرآن مجید بہترین اُمت کے عنوان سے ایسی اُمت کا تعارف کراتا ہے جو ہمیشہ اپنی اصلاح و خودسازی کے ساتھ ساتھ دوسرں کی اصلاح و بھلائی کے لیے حق کی دعوت دیتی ہے، اچھائیوں کا حکم دیتی ہے اور غیر انسانی اقدار کو معاشرے میں پھیلنے سے روکتی ہے اور پلید گیوں اور گناہوں کے خلاف اچھے انداز میں جہاد کرتی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (٣٢)

﴿تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کو معروف کا حکم دیتی ہو اور منکرات سے منع کرتی ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے﴾

آخر کار حقیقی کامیابی اور فلاح ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو معاشرے میں نماز کو برپا کریں گے لوگوں کے مالی حقوق ادا کریں گے اور معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کریں گے اور نیکیوں کو رواج دیں گے۔ ارشاد رب العزت ہے

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُو الصَّلٰوةَ وَاٰ تَوُ الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْاعَنِ الْمُنْكَرِوَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِo ٣٣)

﴿وہ لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں جب زمین پر صاحب اقتدار بنایا گیا تو انہوں نے نماز قائم کی، زکوۃ ادا کی نیکی کا حکم دیا اور بدی سے روکا اور ہر چیز کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہی ہے﴾

٦ ۔ تفرقہ اور اختلاف

ایک قوم اور معاشرے کے لیے بُری ترین آفت تفرقہ ہے۔ قرآن مجید نے اپنی متعدد آیات میں اتحاد اور وحدت کی دعوت دیتے ہوئے اور اختلاف وانتشار کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ضمناً اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ لڑائی جھگڑا، جدائی اور افتراق معاشرے کے زوال کا سبب ہے۔ اس بلا کی وجہ سے افراد اور امت کی توانائیاں رائیگاں ہوتی ہیں اور ان سے کوئی مثبت فائدہ حاصل نہیں ہوتا، قران فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٣٤ ﴿سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ

پڑو۔ اللہ نے جونعمت تمہیں عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو جانا، تمھارا حال یہ تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمھارے دلوں میں محبت ڈال دی پس تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی بن گئے اور تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تمہیں بچا لیا اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کھول کھول کو بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ﴾

مزید فرماتا ہے:

وَاَنْ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَo (۳۵)

﴿اور یہ میرا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے مختلف راستوں پر مت چلو کیونکہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے یہ وہ بات ہے جس کی خدا تمہیں تاکید کرتا ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ﴾۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَاتَنَازَعُوافَتَفْشَلُوْوَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْo

﴿اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں لڑائی اور جھگڑا نہ کرو تا کہ کمزور اور کم ہمت نہ ہو جاؤ اور تمہاری ہوا نہ اکھڑ جائے﴾۔(۳۶)

حوالہ جات

۱	تفسیر المیزان ج ۴ص۳۱	۲۱	الشمس آیت ۹۔۱۰
۲	آل عمران آیت۱۳۷	۲۱	طٰہ آیت ٦۰
۳	الفتح آیت ۲۲،۲۳	۲۱	النازعات آیت ۳۷،۴۰
۴	الاحزاب آیت ٦۲	۲۲	الروم آیت ۴۲،۴۱
۵	الاعراف آیت ۳۴	۲۳	الاعراف آیت ۱۷۷،۱۷٦
٦	الحجر آیت ۵،۴	۲۴	القمر آیت ۱۹،۱۸
۷	بنی اسرائیل آیت۵۸	۲۵	العکنبوت آیت ۳۹،۴۰
۸	آل عمران آیت ۱۴۱،۱۳۷	26	العکنبوت آیت ۴۳،۴۱
۹	الرعد آیت۱۱	۲۷	یونس آیت ۱۳
۱۰	الانفال آیت ۵۳،۵۲	۲۸	انبیاء آیت۱۱
۱۱	بنی اسرائیل آیت ۷	۲۹	قصص آیت۵۹
۱۲	بنی اسرائیل ۸	۳۰	حج آیت۴۵
۱۳	الروم آیت ۴۴	۳۰	ھود آیت۱۱۷
۱۴	حٰم سجدہ آیت۴٦	۳۰	کھف آیت ۵۹
۱۵	الزمر آیت ۱۰	۳۰	اعراف آیت۵۔۴
۱٦	الاعراف آیت۹٦	۳۱	اعراف آیت۱۵۷
۱۷	الجن آیت ۱٦	۳۲	آل عمران آیت۱۱۰
۱۸	البقرہ آیت ۱۳۴	۳۳	حج آیت ۴۱
۱۹	یونس آیت ۲۳	۳۴	آل عمران آیت ۱۰۳
۲۰	الانعام آیت۱۲۹	۳۵	انعام آیت۱۵۳
۲۱	النجم آیت ۳۹	۳٦	انفال آیت۴٦

حدیث الغدیر ﴿من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ﴾

از نظر محقق دیوبندی

﴿محقق دیوبند مولانا محمد اسماعیل دیوبندیؒ حدیث ،کلام رجال اورعلم مناظرہ کے وہ بےنظیر عالم دین تھے جن کواس دنیا سے رخصت ہوئے تیس سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہےلیکن ابھی تک ان کا خلاء پُر نہیں ہوا ۔اُنہوں نے قادیانیوں اور احمدیوں کے ساتھ علمی مناظرات کے ذریعے ختم نبوت کی حقانیت کو ثابت کیا اور مسلمانان پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے اس فرقہ ضالہ کوعلمی شکست سے دوچار کیا ۔مولانا اسماعیلؒ کی تحقیقات ہمارا گراں قدر علمی سرمایہ ہیں ۔جس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے محقق دوست جناب ابو اسد صاحب نے مولانا مرحومؒ کی تحقیقات سے ماخوذ یہ علمی مقالا تیار کیا ہے ۔جس میں خالص علمی انداز میں سوال وجواب کی شکل میں حدیث غدیر کے بارے میں بحث کی گئی ہے ۔اس مقالے کو پیش کرنے کا واحد مقصد علمی وتحقیقی جذبہ ہےاورمختلف اسلامی مسائل کوعلمی انداز میں پیش کرنا ہے۔﴾ **(ادارہ)**

سوال نمبر 1 :حدیث غدیر کی وجہ تسمیہ اور مقام غدیر خم کا محل وقوع کیا ھے؟

جواب:حدیث غدیر

﴿من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ﴾

حضرت رسول کریمؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ''غدیرخم'' پر بیان فرمائی اسی لیے اسے ''حدیث غدیر'' کہا جاتا ہے۔ مقام غدیر مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کا تالاب تھا اور یہاں سے ایک راستہ یمن اور ایک راستہ شام' ایک راستہ واپسی مکہ معظّمہ اور ایک راستہ سیدھا مدینہ کو جاتا تھا ۔گویا مقام غدیر چاروں اطراف سے ایک مرکزی جگہ پر تھا۔مقام سے متعلق یہ تفصیل کتب احادیث وسیر اور کتب بلدان میں موجود ہے ۔حتی کہ ''صحیح مسلم ،جیسی مستند

کتاب میں اس کا ذکر حضرت زید بن ارقم صحابی رسول کی زبانی ان الفاظ میں موجود ہے:

عن زید بن أرقم قال: قام رسول للّٰہ یوماً فینا خطیباً بمآء یدعی "خما" بین مکة و المدینة

(صحیح مسلم، جلد۲صفحہ۲۷۹ باب مناقب الامام علیؑ)

"پیغمبر اسلامؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیرخم جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پانی کے تالاب کے کنارے کھڑے ہو کر ہمیں خطاب فرمایا"۔اس حدیث کی شرح میں مشہور محدث علامہ ابوزکریا نواوی نے مقام غدیر کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کا محل وقوع بیان کیا ہے:

"خماً" و بضم الخآء العجمة و تشدید المیم وھو اسم لغیضة علی ثلاثة امیال من الجحفة غدیر مشھور یضاف الی الغیضة فیقال: "غدیر خم"۔

مقام غدیرخم مقام جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک تالاب تھا۔ مقام غدیرخم سے متعلق مزید معلومات کتاب معجم البلدان ج: ۲،ص: ۲۴۸ پر موجود ہیں۔

سوال نمبر2: **کیا "حدیث غدیر" کتب صحاح ستہ میں موجود ھے' نیز کتنے صحابہ کرام سے روایت کی گئی ھے؟**

جواب: "حدیث غدیر" ذخیرہ حدیث کے سب سے مستند مآخذ "صحاح ستہ" میں تقریبا چار صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہے' جن کی تفصیل یہ ہے

(۱) جامع الترمذی الشریف' کتاب المناقب باب مناقب علی ابن ابی طالبؑ کی سب سے پہلی روایت حدیث نمبر ۳۷۲۱ جن کے راوی مشہور صحابی عمران بن حصین ہیں'

یہ حدیث تفصیل سے ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں!

عن عمران بن حصین قال: ﴿ قال رسول اللّٰہؐ: انّ علیّا منی وأنا منہ وھو ولیّ کلّ مؤمن من بعدی ﴾.

اسی باب کی دوسری روایت حدیث نمبر۳۷۲۲ ہے ۔کہ جن کے راوی حضرت زید بن اُرقم اور حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ یا حضرت حذیفہ بن اسید

غفاری ہیں۔

عن زید بن أرقم قال:﴿ قال رسول اللّٰہؐ ﴿ من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ ۔﴾

اس کے علاوہ صحاح ستہ کی دوسری کتاب ''سنن ابن ماجۃ'' باب مناقب علیؑ حدیث نمبر ۱۲۱ میں مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کی گئی ہے۔

''عن سعد قال:﴿ سمعت رسولؐ اللّٰہ یقول :'من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ﴾

اسی طرح صفحہ ۳۰ حدیث نمبر ۱۱۶ کے تحت تفصیل سے موجود ہے

''عن البرآء بن عازب قال: ﴿ قال رسول اللّٰہؐ فھذا ولیّ من أنا مولاہ ' اللّٰھمّ وال من والاہ و عاد من عاداہ ۔﴾

سوال نمبر3 : کتب صحاح ستہ میں مذکورہ چاروں احادیث کی از روئے علم رجال وحدیث کیا حیثیت ہے؟

جواب: ''صحاح ستہ'' کی چاروں روایات صحیح ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: حضرت عمران بن حصین کی روایت کہ جسے امام ترمذی نے مفصلاً ذکر کیا ہے وہ صحیح علی شرط مسلم ہے' کیونکہ اس کی سند کے تمام راوی ''صحیح مسلم'' کے رواۃ میں سے ہیں' ملاحظہ ہوں حدیث مذکورہ مع سند ومتن!

قال الترمذی: حدثنا قتیبۃبن سعید' قال: حدثنا جعفر بن سلیمان الضبعی ، عن یزید المرشك، عن مطرف بن عبد اللّٰہ، عن عمران بن حصین قال: بعث رسول اللّٰہؐ ۔ جیشا واستعمل علیھم علیاؑفمضی فی السریۃ،وتعاقد أربعۃ من أصحاب رسول اللّٰہؐ فقالوا:إذا لقینا رسول اللّٰہ (ص) أخبرناہ بما صنع علیؑ، وکان المسلمون إذا رجعوا من سفر بدوا برسولؐ اللّٰہ فسلّموا علیہ، ثمّ انصرفوا إلی رحالھم فلمّا قدمت السریۃ فسلّموا علی النّبیؐ، فقام أحد الأربعۃ فقال: یا رسول اللّٰہؐ !ألم تری أنّ علی بن أبیطالبؑ صنع کذا وکذا؟ فأعرض عنہ، ثمّ قام الثانی

فقال مثل مقالته،فأعرض عنه، ثمّ قام إليه الثالث فقال مثل مقالته فأعرض عنه، ثمّ قام الرابع، فقال مثل ما قالوا، فأقبل إليه رسول اللّٰهؐ والغضب يعرف في وجهه فقال: " ما تريدون من عليؑ، ما تريدون من عليؑ؟ إنّ عليا منّي وأنا منه وهو وليّ كل مؤمن من بعدي"۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سالتمآبؐ نے ایک جنگ کے موقعہ پر ایک لشکر کو تیار کیا اور اس پر علیؑ کا امیر لشکر بنایا تو چار عدد اشخاص نے حضرت علیؑ کے خلاف سازش کی کہ واپسی جب وہ رسالتمآبؐ سے ملاقات کریں گے تو وہ حضرت علیؑ کی شکایت کریں گے لہذا سازش کے تحت باری باری ہر صحابی نے کہا کہ یارسول اللہؐ! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ امیر لشکر علیؑ نے ایسا ایسا کیا؟ تو آپ نے پہلے تینوں سے منہ پھر کر چوتھے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارا علیؑ کے بارے میں کیا ارادہ ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد تمام مؤمنین کے آقا و مولیٰ ہیں؟

مذکورہ حدیث کی اسنادی حیثیت!

1: اس حدیث کے پہلے راوی قبیۃ بن سعید بن جمیل ابو رجاء البغلانی ہیں وہ ثقۃ عادل ضابط اور حافظ الحدیث ہیں ۲۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ان سے تمام اصحاب صحاح ستہ نے روایت کی ہے اور بقول حافظ ابن حجر مکی امام بخاری نے ان سے تین سو آٹھ (۳۰۸) احادیث جبکہ امام مسلم نے چھے سو اڑسٹھ (۶۶۸) احادیث لی ہیں گویا کہ صرف صحیحین کی نوسو چھہتر (۹۷۶) احادیث کے راوی ہیں۔

دیکھو ''تہذیب التھذیب'' جلد ۴ صفحہ ۵۲۱ راوی نمبر ۶۴۹۶

2: امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں جبکہ باقی ارباب صحاح ستہ نے اپنی کتب ''سنن اربعہ'' میں روایت کیا ہے، امام بخاری کے شیخ حافظ ابن المدینی نے اسے ثقۃ قرار دیا ہے، جیسا کہ '' تہذیب التھذیب''(۱۰ ۴۳۹) راوی نمبر ۱۱۰۷

3: اس حدیث کے تیسرے راوی یزید الرشک کہ جن کا مکمل نام یزید بن ابی یزید اور کنیت ابوالازہر اور بصرہ کے رہنے والے ہیں، اس سے سب اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے امام ترمذی، حافظ ابو حاتم اور ابن سعد نے اسے ثقۃ قرار دیا

ہے۔(’’ تہذیب التھذیب‘‘(۶-۲۲۸)راوی نمبر۹۰۸۵)

۴:اس حدیث کے چوتھے راوی عبداللہ بن شجرابو عبداللہ البصر ی ہیں، یہ بھی پوری کتب صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں،مشہور محدث حافظ ابوالحسن العجلی نے اسے ثقہ، صالح اور کبار تابعین میں سے قرار دیا ہے نیز بخاری شریف میں ان سے سات مقام پر روایت لی گئی ہے

(۵) اس حدیث کے پانچویں اور آخری راوی مشہور صحابی حضرت عمران بن حصین ہیں ان سے بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر اصحاب سنن ومسانید نے احادیث بیان کی ہیں!

اس حدیث کی سند کے تمام راوی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، صرف ایک راوی جعفر بن سلیمان کہ جن سے امام بخاری کے علاوہ دیگر اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے لہذا یہ حدیث اس سند سے ’’صحیح علی شرط مسلم‘‘ ہے اسی لیے امام حاکم نیشاپوری نے اسے صحیح علی شرط مسلم جبکہ خود امام ترمذی نے اسے ’’حدیث حسن‘‘ قرار دیا ہے۔

ترمذی شریف کی دوسری روایت

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن سلمة بن كهيل، قال: سمعت أبا طفيل، يحدّث عن أبي سريحة، او زيد بن أرقم شك شعبة عن النبي(ص) قال ﴿من كنت مولاه فعليّ مولاه﴾

(باب مناقب علیؑ صفحہ ۹۷۸ حدیث نمبر ۳۷۲۲)

ترمذی شریف کی یہ روایت مذکورہ سند کے ساتھ ’’صحیح علی شرط الشیخین‘‘ ہے کیونکہ اس کے تمام راوی صحیح بخاری و مسلم کے رواۃ سے ہیں! سنن ابن ماجۃ کی پہلی روایت

حدثنا علی بن محمد، حدثنا أبو الحسن، أخبرنی حمّاد بن سلمة عن علی بن زیدبن جدعان، عن عدی بن ثابت،عن البرآء بن عازب قال:أقبلنا مع رسول اللّٰه ؐفی حجة التی حج فنزل فی بعض الطریق، فأمر الصلاة جامعة، فأخذ بید علیؑ فقال: ألست أولی بالمؤمنین من

أنفسهم؟ ، قالوا: بلیٰ، قال: ''فهذا ولیّ من أنا مولاه،أللّهمّ وال من والاه و عاد من عاداه''

باب مناقب علیؑ صفحہ ۳۰ حدیث نمبر ۱۱۶

حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ ہم رسالتمآبؐ کے ساتھ جب حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام (غدیر) پر پہنچے تو آپ نے حکم دیا کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گئی، پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ میں تمام مومنوں پر ان کی جان سے زیادہ اولی بالتصرف (حاکم) نہیں ہوں؟ سب صحابہ کرام نے ہاں میں جواب دیا دوبارہ آپ نے پھر اس کا اقرار لیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جس کا میں حاکم ہوں پس اس کے یہ علیؑ ولی وسرپرست ہیں پھر آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! دوست رکھ اسے جو علیؑ سے دوستی و ولایت رکھے اور عداوت رکھ اس سے جو اسے دشمن رکھے۔

اس حدیث کو مشہور محدیث ومحقق علامہ ناصر الدین البانی نے ''صحیح علی شرط مسلم'' قرار دیا ہے۔سنن ابن ماجہ کی دوسری حدیث **حدثنا علی بن محمد، حدثنا أبو معاویه، حدثنا موسیٰ بن مسلم، عن ابن سابط وهو عبد الرحمٰن، عن سعد بن أبی وقاص قال:قدم معاویة فی بعض حجّاته، فدخل علیه سعد، فذکروا علیاًفنال منه، فغضب سعد وقال: تقول هذا رجل سمعت رسول اللّٰه یقول:'' من کنت مولاه فعلیّ مولاه''** (صفحہ ۳۱ حدیث نمبر ۱۲۱)اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے'' البدایۃ والنہایۃ''(۷-۲۳۹)میں حدیث حسن اور محقق البانی نے'' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ''(۴-۳۳۶) میں حدیث صحیح قرار دیا ہے(ترجمہ حدیث)

حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ خال المؤمنین معاویہ نے حج کے پر سعادت موقعہ پر حسب عادت برادر رسول حضرت علیؑ کو سب وشتم کیا تو حضرت سعد نے معاویہ کی اس فعل پر ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا کہ اے معاویہ تم ایسی ہستی پر سب وشتم کرتا ہے کہ جس کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ ﴿جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں﴾ خلاصہ : ''حدیث

غدیر'' حدیث کے سب سے مستند ماخذ کتب صحاح ستہ میں موجود ہے بعض احادیث صحیح علی شرط شیخین ہیں اور بعض صحیح ہیں!

سوال نمبر۵: کیا ''حدیث غدیر'' صحیحین (بخاری ومسلم شریف) میں روایت کی گئی ہے اگر ایسا نہیں تو کیا اس ''حدیث غدیر'' کی صحت میں فرق پڑتا ہے؟

جواب: ''حدیث غدیر'' سے متعلق یہ سوال برادران اسلام کی طرف سے بعض حضرات نے اٹھایا ہے جبکہ اسی سوال کو بنیاد بنا کر ابن تیمیہ وغیرہ نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے کہ اگر ''حدیث غدیر'' صحیح ہوتی تو امام بخاری یا مسلم یا ان میں سے کوئی ایک ضرور اپنی '' صحیح'' میں درج کرتا چونکہ '' صحیحین'' میں روایت نہیں کی گئی لہذا اس کی صحت مشکوک ہے۔ برادران اسلام کی طرف سے ایسا سوال علم حدیث کی رو سے بھی درست نہیں نیز امام بخاری ومسلم کے نظریات بھی اس کے ساتھ نہیں دیتے، علم حدیث پر لکھی جانے والی تمام کتب میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے اسے کہ ''صحیحین'' میں ہونا چاہیے۔ حالانکہ برادران اسلام ایسی دسیوں احادیث اپنے مذہب اہل السنّۃ کی بنیاد قرار دیتے ہیں جو احادیث بخاری ومسلم میں تو کجا صحاح ستہ کی دیگر کتب میں بھی نہیں پائی جاتیں حتی کہ صحاح ستہ کے دیگر کتب میں بھی صحیح اسانید سے روایت نہیں کی گئیں، مثلاً ایک حدیث کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا ''**ترکت فیکم شیئین کتاب اللہ وسنّتی**'' ''کہ میں تمہارے درمیان قرآن وسنت چھوڑے جا رہا ہوں'' یہ حدیث صحاح ستہ کی متداول کتب میں کہیں بھی موجود نہیں، یہ حدیث کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

اس کے برخلاف دسیوں احادیث ایسی بھی ہیں کہ جو باوجود صحیح بخاری ومسلم میں ہونے کے پھر بھی ان کی صحت میں کلام ہے مثلاً ''حدیث قرطاس'' ''کہ جو صحت کے اعلیٰ معیار ''صحیح متفق علیہ'' حتی ''اُصح الأسانید'' سے مروی ہونے کے باوجود بھی برادران اسلام کے ہاں غیر مقبول ہے کیونکہ ان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔ ''**حدیث قرطاس**'' پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات کو ہم نے ایک علیحدہ رسالہ میں تحریر کر دیا ہے۔ اسی طرح '' حدیث الکساء'' کہ آیت تطہیر صرف پنجتن پاک علیہم السلام کے حق میں اتری جو

کہ بروایت حضرت عائشہ وحضرت ام سلمہ صحیح مسلم وجامع ترمذی سے ثابت ہے اور یہ دونوں کتب داخل صحاح ستہ ہیں۔

قول امام بخاری و امام مسلم در باب ''صحیحین''

امام بخاری یا امام مسلم میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انہوں نے اپنی کتب ''صحیحین شریفین'' میں تمام احادیث صحیحہ کو جمع کر دیا ہے، لہذا جو احادیث ''صحیحین'' میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں وہ ضعیف یا موضوع ہیں!

﴿ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین﴾۔

حالانکہ خود امام بخاری ومسلم کا یہ قول علم حدیث کی اکثر کتب میں موجود ہے جیسا کہ اصول حدیث کی سب سے مستند ترین کتاب ''مقدمہ ابن الصلاح'' صفحہ نمبر ۲۴ پہلی نوع میں لکھا ہے!

فقد روینا عن البخاری انه قال: ''ما أدخلت فی کتاب الجامع إلّاما صحّو ترکت من الصّحاح لملال الطول''

إمام المحدثین محمد بن إسماعیل صاحب ''بخاری شریف'' نے اپنی کتاب کی نسبت کہا کہ میں نے اس کتاب میں صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور بہت سی صحیح احادیث کو نہیں لکھا تا کہ کتاب کا حجم بڑھ نہ جائے۔یعنی طوالت کے خوف سے بہت سی صحیح احادیث کو میں نے جان بوجھ کر اپنی صحیح میں درج نہیں کیا۔اور یہی امام مسلم کا نظریہ ہے جیسا کہ ''مقدمہ مشکوٰۃ شریف'' میں حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے لکھا ہے۔نیز امام بخاری ومسلم کے یہ اقوال ''فتح القریب'' شرح التقریب صفحہ نمبر ۲۸ اور ''تدریب الراوی'' صفحہ ۸۹ کے علاوہ دیگر کتب علوم حدیث میں موجود ہیں۔اسی مفہوم کو حافظ ابن کثیر دمشقی نے ''الباعث الحثیث'' صفحہ ۳۵ پر ان الفاظ میں تحریر کیا ہے

ثم ان البخاری و مسلماً لم یلتزما بإخراج جمیع ما یحکم بصحته من الأحادیث، فإنّهماقد صحّحا أحادیث لیست فی کتابیهما کما ینقل الترمذی وغیره عن البخاری تصحیح احادیث لیست عنده، بل فی السنن وغیرها!

کہ امام بخاری و مسلم نے اپنی شرائط کے مطابق تمام احادیث صحیحہ کو بالِ ستیعاب اپنی کتب صحیحین میں جمع نہیں کیا حالانکہ انہوں نے بہت سی احادیث کو صحیح قرار دیا۔ اگر چہ وہ احادیث بخاری و مسلم میں نہیں جیسا کہ امام ترمذی وغیرہ نے بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی احادیث کی تصحیح کی ہے حالانکہ وہ ''صحیح بخاری'' میں نہیں بلکہ ان کی تصحیح شدہ احادیث کتب سنن وغیرہ (مسانید ومعاجم و مستدرکات) میں موجود ہیں۔ ان قواعد وحقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ''حدیث غدیر'' چونکہ ''صحیح بخاری ومسلم'' میں نہیں ہے لہذا قابل حجت نہیں، یہ قول سوائے ہذیان کے اور کچھ نہیں جبکہ ''حدیث غدیر'' کا صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں نہ ہونے سے اس کی صحت کے لیے مضر نہیں!

سوال نمبر ٦ ''**حدیث غدیر**'' اگر ''صحیحین'' میں نہیں ہے تو کیا اس کی کچھ اسانید بخاری ومسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرائط پر صحیح ہے؟

جواب: محدثین اہل السنّۃ کے ہاں صحیحین یا شیخین کی شرط سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیث اگر چہ ان دونوں یا کسی ایک میں مذکور نہیں لیکن وہ حدیث دیگر کتب احادیث میں ان رواۃ سے بیان کی گئی ہو جن سے امام بخاری ومسلم ہر دو نے اپنی کتب میں روایت کیا ہو!

امام بخاری ومسلم کی مذکورہ شرط کے تحت ''حدیث غدیر'' کی دسیوں روایات صحیح ہیں اور ذخیرہ احادیث کی کتب جوامع، مسانید، سنن، معاجم اور مستدرکات وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہاں بطور مثال چند احادیث بیان کرتے ہیں کہ جو بخاری ومسلم کی شرائط پر صحیح ہیں، جیسے ''جامع الترمذی'' صفحہ ۹۷۸ حدیث نمبر ۳۷۲۲ باب مناقب الإمام علی بن ابی طالبؑ۔ ''حدیث غدیر'' کی چند مثالیں جو بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہیں

!قال الترمذی: حدثنامحمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن سلمه بن كهيل، قال: سمعت أبا الطّفيل يحدّث عن أبی سريحة أو زيد بن أرقم شك شعبة عن النبیّ قال:'' من كنت مولاه فعلیّ مولاه''

یہ حدیث مذکورہ سند کے ساتھ صحیح علی شرط صحیحین ہے کیوں کہ اس کے تمام راوی صحیح بخاری ومسلم کے راوی ہیں جن کی تفصیل یہ ہیں۔ محمد بن بشار

بن عثمان بن داؤد ہیں جن کی کنیت ابو بکر العبدی اور بصرہ کے رہنے والے اور بندار کے لقب سے مشہور ہیں ۱۶۷ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۵۲ھ میں وفات پائی، امام نسائی، دار قطنی اور ابو حاتم وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے امام بخاری نے ان سے اپنی ''صحیح'' میں ۲۰۵ اور امام مسلم نے ۴۶۰ احادیث درج کی ہیں گویا صحیحین کی ۶۶۵ احادیث کے راوی ہیں بقیہ سنن اربعہ کے بھی راوی ہیں۔اس حدیث کے دوسرے راوی: محمد بن جعفر ابوعبداللہ الھذلی ہیں ''غندر'' کے لقب سے مشہور ہیں، حافظ ابوحاتم ابن سعد اور ابوالحسن العجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور امام بخاری نے ان سے کم از کم ۱۵۰ احادیث روایت کی ہیں۔اس کے علاوہ امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت لی ہیں جیسا کہ'' تہذیب التہذیب'' جلد نمبر ۹ صفحہ نمبر ۵۹ میں مذکور ہے۔اس حدیث کے تیسرے راوی شعبۃ بن الحجاج جن کی کنیت ابو البسطام الازدی ہے علم جرح وتعدیل کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں ان سے تمام اصحاب صحاح ستہ نے احادیث بیان کی ہے، ایک محتاط اندازے کی مطابق صرف صحیح بخاری میں ۱۶۰۰ احادیث روایت کی گئی ہیں،''تہذیب التہذیب'' جلد ۲،صفحہ نمبر ۴۹۴ میں ان کے حالات مذکور ہیں۔اس حدیث کے چوتھے راوی سلمۃ بن کہیل بن حصین ابو یحیٰ کوفی ہیں، ۴۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۳ھ میں وفات پائی ابو حاتم، امام نسائی اور حافظ عجلی وغیرہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے صرف بخاری شریف میں ان سے ۱۷ احادیث روایت کی گئی ہیں اور صحیح مسلم کے بھی راوی ہیں۔' تہذیب التہذیب'' (۳۸۲۳)اس حدیث کے پانچویں راوی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ، مشہور صحابی ہیں آپ نے تقریباً سب صحابہ کرام سے آخر میں وفات پائی، اسی طرح حضرت ابو سریحۃ جن کا اصل نام حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری ہیں جبکہ حضرت زید بن اُرقم بھی مشہور صحابی ہیں، حضرت ابو الطفیل اور زید بن ارقم صحیحین اور حضرت ابو حذیفہ صرف صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

مثال دوم! جسے امام نسائی نے اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' جلد ۵ صفحہ ۱۳۰ حدیث نمبر ۸۴۶۶ میں روایت کیا ہے۔

حدثنا محمد بن المثنّیٰ، قال:

حدثنا أبو أحمد، قال: حدثنا عبد الملك بن أبي غنية، عن الحكم، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال: حدثني بريدة قال: قال رسولُ اللّٰه ﴿من كنت مولاه فعليّ مولاه﴾

اس حدیث کے پہلے راوی محمّد بن المثنیٰ جن کی کنیت ابوموسیٰ ہے، ان سے تمام اصحاب صحاح ستہ نے روایات لی ہیں صرف ''بخاری شریف'' میں ان سے کم از کم ایک سو (۱۰۰) احادیث روایت کی گئی ہیں۔ اس حدیث کے دوسرے راوی ابو احمد جن کا نام محمد بن عبداللہ بن زبیر الزبیری ہے، اور کنیت اب احمد ہے ان سی ''بخاری شریف'' میں بیس (۲۰) احادیث لی گئی ہیں نیز پوری صحاح ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ اس حدیث کے تیسرے راوی عبد الملک بن حمید ابی غنیۃ ہیں صحیح بخاری و مسلم کی رواۃ میں سے ہیں، بخاری شریف حدیث نمبر ۱۰۱۷ کے راوی ہیں۔ اس حدیث کے چوتھے راوی الحکم بن عتیبۃ ہیں، کنیت ابو محمد ہے صرف بخاری شریف میں ان سے کم از کم پچاس احادیث مروی ہیں۔

تیسری مثال: جسے امام احمد بن حنبل نے ''المسند'' (۵-۳۷۱) حدیث نمبر ۲۲۵۴۸ اور امام نسائی نے'' السنن الکبریٰ '' (۵-۱۳۰) حدیث نمبر ۸۴۶۵ میں اس سند سے روایت کیا ہے۔

قال أحمد: حدثنا وكيع، حدثنا الأعمش، عن سعد بن عبيده عن ابن بريده قال: قال رسول اللّٰه: ''من كنت وليّه فعليّ وليّه''

اس حدیث کی سند کے تمام راوی صحیح بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہیں، اختصار کے مدّ نظر اس موضوع کی دیگر احادیث کو ہم نے اپنی دوسری کتاب ''اسانید حدیث غدیر'' میں جمع کر دیا ہے جو ''صحیح علی شرط الشیخین'' ہیں!

سوال نمبر ۷: **کیا ائمہ جرح وتعدیل اور حفاظ حدیث میں سے کسی مستند عالم نے ''حدیث غدیر'' کی توثیق کی ہے؟**

جواب: برادران اسلام کے مستند حفاظ حدیث اور ماہرین علم رجال وحدیث نے ''حدیث غدیر'' کو ''صحیح'' قرار دیا ہے، اگر چہ ان علماء کی تعداد بیسیوں سے متجاوز ہے، لیکن بطور اختصار چند محدّثین کہ جن

کے علم وفضل، اورفن حدیث میں تبحر کا انکار ناممکن ہے نیز انہی بزرگوں کی تحقیقات کے سہارے اس علم حدیث میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے، ان میں سب سے پہلے حافظ ابوعبداللہ ذہبی ہیں کہ جنہوں نے ''حدیث غدیر'' کوصرف ''صحیح'' ہی نہیں بلکہ ''حدیث متواتر'' قرار دیا ہے، ان کا مفصّل ذکر آئندہ سوالات کے جوابات میں آئے گا۔ دوسرے حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں کہ جنہوں نے بخاری شریف کی سب سے مستند ترین شرح ''فتح الباری'' لکھی وہ اسی شرح کے جلد نمبر ۷ صفحہ نمبر ۹۳ باب مناقب علی بن ابی طالبؑ میں ''حدیث غدیر'' کی تحسین وتصحیح ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ **وأما حديث ﴿من كنت مولاه فعليّ مولاه﴾ فقد أخرجه الترمذی والنسائی وهو كثير الطرق جدّاً، وقد استوعبها ابن عقدة فی كتاب فرد، وكثير من أسانيدها صحاح و حسان۔**

''حدیث غدیر'' کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث بہت زیادہ اسانید سے روایت کی گئی ہے، اور مشہور حافظ حدیث علامہ ابن عقدہ نے اس حدیث پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں ''حدیث غدیر'' کے تمام متون و اسانید کو جمع کر دیا اور میرے نزدیک اس کی اکثر اسانید صحیح اور حسن درجہ کی ہیں۔ حافظ ابو بکر الہیثمی نے اپنی کتاب ''مجمع الزّوائد'' جلد ۹ صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۹ تک اس کی دسیوں احادیث کو صحیح، حسن اور جید قرار دیا ہے۔ مشہور محدّث علامہ المحاملی نے ''حدیث غدیر'' کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ علاّمہ جلال الدّین السیوطی نے ''الجامع الکبیر'' (۱۶-۲۵۵) حدیث نمبر ۸۶۳۷ پر اس قول کو ذکر کیا ہے، نیز خود علاّمہ جلال الدّین سیوطی نے اپنی کتاب ''الجامع الکبیر'' (۶-۲۱۱) حدیث نمبر ۱۴۴۰۰ کے علاوہ متعدد مقام پر اس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ علاّمہ برہان الدّین الحلبی الشافعی کہ جنہوں نے سیرۃ النّبی (ص) پر ''سیرۃ الامین والمامون'' کے نام سے ایک مستند کتاب لکھی ہے اسی کتاب میں جلد ۳ صفحہ ۳۰۸ پر ''حدیث غدیر'' کی توثیق وتصحیح کا ذکر کیا ہے کہ **هذا حديث صحيح ورد بأسانيد صحاح و حسان ولا التفات لمن قدح فی صحته** حدیث غدیر کی صحت مسلّم ہے اور یہ با

سانید صحیحہ وحسنہ روایت کی گئی ہے اور جس نے اس صحت میں کلام کیا ان کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے مزید لکھتے ہیں!

فقد ورد ذلك من طرق صحّح الذهبی كثيراً منها! کہ اس کی اکثر اسانید کو مشہور ماہر علم رجال وحدیث حافظ ابوعبد اللہ ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی نے اپنی کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' جلد۵ صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۴ میں اس حدیث کی اکثر اسانید کو صحیح قرار دیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی جنہوں نے اپنی کتاب ''تفسیر المظہری'' جلد۳ صفحہ ۱۳۴ پر اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ ملاّ علی القاری مشہور حنفی محدث نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ''مرقاۃ المفاتیح'' جلد ۱۱ صفحہ ۳۴۲ میں اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔ اور دور حاضر کے مشہور محقق اور ناقد حدیث علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو اپنی کتب ''سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ'' جلد۳ صفحہ ۳۳۱ میں متعدد مقام پر اس حدیث کو صحیح بلکہ متواتر اور ابن تیمیہ کی جرح کو دلائل سے رد کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے ''سیر أعلام النبلاء'' (۴۱۵۵) پر لکھا ہے ''والحدیث ثابت بلا ریب'' کہ حدیث غدیر کی صحت ثابت ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

سوال نمبر8 :کیا محدّثین وحفاظ حدیث میں سے کسی نے ''حدیث غدیر'' کو متواتر شمار کیا ہے؟

جواب: امام اہل السنۃ حضرت امام احمد بن حنبل نے ''حدیث غدیر'' کو حدیث حسن اور امام ترمذی نے ''حدیث حسن صحیح'' قرار دیا ہے۔ امام احمد کی تحسین کو ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''منہاج السنۃ'' (۸۶۳) پر ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام ترمذی کی تحسین وتصحیح جامع الترمذی کے بعض نسخوں میں موجود ہے البتہ بعض مطبوعہ نسخوں میں ''صحیح'' کی لفظ اڑا کر صرف حدیث حسن لکھا گیا ہے، جو کہ خلاف قواعد ہے جبکہ سند حدیث کے تمام راوی ''صحیح علی شرط الشیخین'' کی صفت کے حامل ہیں جیسا کہ سوال نمبر ۶ کے جواب میں تفصیل سے گذر چکا ہے تو صرف حدیث حسن کہنا تحریف حدیث کی بدترین مثال ہے، امام ترمذی جیسے متبحر اور عالم بالحدیث سے اس کا صدور ناممکن ہے البتہ بعد والے ناشران کی ہاتھ کی صفائی کا مظہر

ہے۔اب ہم چند محدثین اعلام کا ذکر کرتے ہیں کہ جنھوں نے ''حدیث غدیر'' کو متواتر قرار دیا ہے۔ان میں سب سے پہلے مشہور مورخ ومحدث وناقد اور ماہر علم رجال وحدیث حافظ ابوعبد اللہ الذہبی ہیں کہ جن کی مؤلفہ کتب رجال حدیث کے سہارے راویان حدیث کو پرکھا جاتا ہے وہ اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' صفحہ نمبر ۳۳۸ حضرت امام محمد ابن ادریس الشافعی کے حالات میں تحریر کرتے ہیں۔ومعنی ہذا التشیع حبّ علی علیہ السلام **وبغض النّواصب وأن يتخذه مولاً بما تواتر عن نبينا ياللّٰه''من كنت مولاه فعليّ مولاه''**

کہ تشیع سے مراد حبّ علیؑ اور بغض نواصب ہے اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار کرنا جیسا کہ پیغمبر اسلام (ص) سے تواتر کے ساتھ منقول ہے ''جس کا میں مولی ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں'' یہی حافظ ابوعبد اللہ ذہبی اپنی دوسری کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' جلد ۸ صفحہ ۳۳۵ پر مطلب بن زیاد کے حالات میں لکھتے ہیں ،عن جابر بن عبد اللہ **فقال: كنّا بالجحفة بغدير خم فخرج علينا رسول الله من خباء أو فسطاط فأشار بيده ثلاثا، فاخذ بيدعلى فقال:﴿من كنت مولاه فعليّ مولاه﴾، هذا حديث حسن عال جدّاً و متنه فمتواتر!**

کہ اس حدیث غدیر سند کے لحاظ سے نہایت ہی اعلی درجہ پر ہے اور متن حدیث غدیر متواتر ہے۔حافظ ذہبی کے اور ابن تیمیہ کے ہمعصر مشہور مؤرخ ومحدث ومفسر حافظ ابن کثیر دمشقی نے اپنی کتاب ''البدایۃ النہایۃ'' (۱۵۳۵) پر حدیث غدیر کو متعدد طرق سے نقل کرنے کی بعد لکھتے ہیں۔**'وصدور الحديث متواتر أتيقن لن رسةل الله قالـه وامت'' اللهم وال مـن والاه وعـاد مـن عـاداه '' فزياة قوية الاسناد'** !کہ حدیث غدیر کا پہلا حصہ'' **من كنت مولاه فعليّ** ' 'متواتر ہے، اور میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ واقعی پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کے حق میں ایسا فرمایا ہے البتہ دوسرا حصہ'' **اللـهـم وال مـن والاه وعـاد مـن عـاداه''** کی اسناد بھی قوی درجہ کی ہیں۔فن تاریخ وتفسیر کے امام مشہور محدث ومفسر وفقیہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے بھی''

حدیث غدیر'' کومتواتر شمار کیا ہےاورانہوز نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب بنام '' کتاب الموالاۃ'' یا''کتاب الولایۃ''لکھی جس میں انہوں نے''حدیث غدیر'کوکم ازکم پچھہتر (۷۵)صحابہ کرام سے روایت کیا ہے، جیسا کہ علم حدیث کی مستند کتاب '' اسبال المطر'' صفحہ ۲۷ پر حدیث متواتر کی بحث میں موجود ہے۔وذکر محمد بن جریر حدیث غدیرخم **و' طرقه من خمسة و سبعين طرقا، و افرد له كتابً سمّاه'** کتاب الولایۃ''نیز حافظ ذہبی نے ابن جریرطبری کی''کتاب الولایۃ'' کے بارے میں یہ اظہار خیال کیا ہے تذکرۃ الحفاظ'' (۲۰۳۲) ترجمہ الطبری'' **رأيت مجلداً من طرق الحديث (حديث الغدير) لإبن جرير فاندهشت له ولكثرة لتلك الطرق** '' کہ امام ابن جریرطبری کی حدیث غدیر کے باری میں''کتاب الولایۃ'' کو میں نے دیکھا ہے کہ جس میں انہوں نے حدیث غدیر کے اسانید کوجمع کیا،تو میں حدیث غدیر کی کثرۃ طرق کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔'' حدیث غدیر'' کومشہور مورخ ومفسر اور محدث وفقیہ حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی متواتر قرار دیا ہے، اورانہوں نے اپنی کتاب''**قطف الأزهار المتناثرة** '' کہ جس میں انہوں نے صرف احادیث متواتر کوجمع کیا ہے، اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۷ ح۱۰۲پر حدیث غدیر کو درج کیا ہے۔اور امام سیوطی نے اپنی دوسری کتاب''الجامع الکبیر'' کے متعدد مقام پر اسے حدیث صحیح اور متواتر کہا،اوران کے تواتر کے حکم کومشہور محدث علامہ عبد الرؤف مناوی نے ''فیض القدیر'' (۶ ۲۸۲) حدیث نمبر۹۰۰۰ کی شرح میں ذکر کیا ہے، وقال السیوطی'' حدیث متواتر''۔اسی طرح محدّث ملاعلی القاری الحنفی نے مشکوٰۃ شریف کی شرح''مرقاۃ المفاتیح'' جلد۱۱صفحہ ۳۴۲ میں حدیث غدیر کومتواتر تسلیم کیا ہے۔''و الحاصل ان ہذاالحدیث صحیح''**لا مرية فيه، بل بعض الحفاظ عده متواتراً، إذ في رواية لأحمد انه سمعه من النّبي ثلاثون صحابياً، وشهدوا به لعليٌّ لمّا نوزع ايام خلافته!**''

حدیث غدیر کی صحت کے متعلق تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت ثابت ہے،جس میں کسی قسم کا شک نہیں، بلکہ حافظان حدیث نے

اسے حدیث متواتر شمار کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق تیس (۳۰) صحابہ کرام نے اسے خود پیغمبر اسلامؐ سے روایت کیا، جیسا کہ مسند احمد میں یہ روایت موجود ہے، اوران تیس صحابہ کرام نے مقام رحبہ پر حضرت علیؑ کے زمانے میں آپ کے استفسار پر گواہی دی کہ واقعی حضور اکرمؐ نے یہ حدیث ان کے حق میں بیان فرمائی ہے۔خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہ جن کے سہارے سے مذہب اہل السنۃ ہندوستان میں متعارف ہوا انہوں نے اپنی کتاب ''ازالۃ الخفاء'' جلد۲ صفحہ نمبر۲۶۰ باب مآثر الامام علی ابن ابی طالبؑ میں حدیث غدیر کو متواتر تسلیم کیا ہے، فرماتے ہیں: وہ ومن المتواتر حدیث الغدیر '' **اللهم وال من والاه وعاد من عاداه**''۔ عصر حاضر کے مشہور محدث ومحقق علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب ''سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ'' کے متعدد مقام پر'' حدیث غدیر'' کو متواتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ (۳۴۴۴) م۱۷۵۰ کے تحت حدیث غدیر کی بعض اسانید کو صحیح علی شرط الشیخین اور بعض کو صحیح علی شرط مسلم قرار دینے کے بعد یہ تحریر کرتے ہیں:

''**وجملة القول ان حديث الغدير صحيح بشرطيه، بل الاوّل منه متواتر عنه كما يظهر لمن تتبع اسانيده وطرقه**'' کہ خلاصہ کلام حدیث غدیر اپنے دونوں جملوں ''**من كنت مولاه، فعلي مولاه**'' اور ' **اللهم وال من والاه وعاد من عاداه** کے ساتھ صحیح اور ثابت ہے۔ بلکہ حدیث کا پہلا حصہ '' **من كنت مولاه فعلي مولاه**'' متواتر ہے جیسا کہ احادیث کی تحقیق وجستجو کرنے والے کے لیے یہ حقیقت اُظہر من الشّمس ہے۔ مشہور محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی کہ جن کی وفاۃ (۱۱۸۲ھ) میں ہوئی انہوں نے اصول حدیث کی مشہور کتاب ''اسبال المطر'' صفحہ نمبر۲۸ پر حدیث متواتر کے احکام ومسائل وشرائط کو بیان کرتے ہوئے حدیث متواتر کی امثلہ میں سے حدیث غدیر کو بھی بطور مثال پیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

حديث غدير خم رواه جماعة من الصحابة وتواتر النقل به حتى دخل حدّ التواتر، وذكر محمد بن جرير حديث غدير

خم و طرفه من خمسة وسبعين طريقاًو افرد له كتاباً سماه' كتاب الولاية'' وصنف الذهبي جزئاً في طريقه وحكم بتواتره وذكر ابو العباس بن عقدة حديث غدير خم من ماته وخمسين طريقاً۔

حدیث غدیر کو صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے اور ہر زمانہ میں تواتر سے نقل ہوتی آرہی ہے یہاں تک حدتواتر کو پہنچ گئی ہےاورامام ابن جریرطبری نے حدیث غدیرکوکم ازکم پچھتر (۷۵) سندوں سے روایت کیا ہےاور اس موضوع پر'' کتاب الولایۃ'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔اور حافظ ابوعبداللہ ذہبی نے بھی حدیث غدیرکی اسانید پرایک رسالہ تحریر کیا ہے، اورانہوں نے بھی اس پرحدیث متواتر کاحکم لگایا ہےاورحافظ ابن عقدۃ نے اس موضوع پرایک علیحدہ کتاب لکھی ہے جس میں اس کی ایک سو پچاس اسناد کو جمع کیا ہے!مشہور محدث حافظ العجلونی اسماعیل بن محمد الشافعی صاحب فیض الجارح شرح صحیح البخاری ۱۱۶۲ھ نے اپنی کتاب'' کشف الخفاء'' جلد۲ صفحہ۲۷۴ حدیث نمبر۲۵۹۱ پر حدیث غدیر کے تواتر کا اقراران لفظوں میں کیا ہے۔

''**من كنت مولاه فعليّ مولا ه**''رواه الطبرانی وأحمد والضیاء فی ''المختارة'' **عن زيد بن أرقم و عليٌ وثلاثين من صحابة '' اللهم وال من والاه وعاد من عاداه''** فالحدیث متواتر أو مشهور''۔مشہور مفسر حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ العثمانی جنہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہے وہ اپنی کتاب'' تفسیر المظہری'' (۱۳۴۴) پرآیت ولایت''**إنّما وليّكم الله ورسوله والّذين آمنوا الذين يقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة وهم راكعون**'' کی تفسیر میں حدیث غدیر پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے۔**وقد بلغ هذا الحديث مبلغ التواتر رواه جمع من المحدّثين في الصّاح والسنن والمسانيد برواية نحو من ثلاثين من أصحاب رسول الله منهم علي بن أبي طالبؑ وبريدة بن**

حصیب وأبو أیّوب وعمرو بن مرۃو ابوھریرۃ وابن عباس وعمار بن یاسر وسعد بن ابی وقاص وابن عمر وانس وجریر ومالك بن الحویرث وابو سعید الخدری وطلحة وابو الطفیل وحذیفة بن اسید وغیرھم۔ حدیث غدیر حدّ تواتر تک پہنچ چکی ہے ،تقریباً تیس صحابہ کرام کی روایت سے محدثین کی ایک جماعت نے کتب صحاح، کتب سنن اور کتب مسانید میں اس کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد صاحب کتاب نے سولہ (۱۶) صحابہ کرام کے اسماء کا ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ بکثرت صحابہ نے اسے روایت کیا ہے۔ دورحاضر کے محقق اور محدث دکتور حسین سلیم اسد کہ جنہوں نے مسند ابی یعلیٰ ، اور صحیح ابن حبان کے علاوہ بہت سی کتب پر عمدہ تحقیقات وتعلیقات لکھی ہیں وہ ''صحیح ابن حبان'' پر تحقیق وتعلیق میں ''حدیث غدیر'' کے تواتر کو یوں بیان کیا ہے۔'' حدیث الغدیر'' **من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ** '' صحیح وانظر ''**نظم المتناثرۃ فی الحدیث المتواترۃ**،ص۱۳۴**حیث ذکر ازور وعن خمسة وعشرین صحابیا**۔ دیکھئے! ''موارد الظمان الی زواک بن حبان(۴۳۹)ح۲۱۸۹

سوال نمبر۹:**جن محدثین وائمه جرح وتعدیل اور ماھرین علم رجال وحدیث نے '' حدیث غدیر''کو صحیح ، حسن یا متواتر کھا ھے ان کا اھل السنة کے ھاں کیا مقام ھے؟**

جواب: جن علماء ومحدثین اور ائمہ جرح وتعدیل نے حدیث غدیر کو صحیح اور متواتر تسلیم کیا ہے ان میں سے ہرایک اپنے وقت کا نہایت ہی مستند عالم اور جملہ علوم اسلامیہ (حدیث،تفسیر،تاریخ،رجال، لغت،فقہ وکلام) کا صرف ماہر ہی نہیں بلکہ ان تمام علوم وفنون میں مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ان بزرگوں کی تحقیقات کو رد کردیا جائے تو پھر تمام ذخیرہ حدیث مشکوک ہوجائے گا۔اب ہم ان محدثین ومحققین اور ماہرین علم رجال وحدیث کے کوائف ذکر کرتے ہیں کہ جنہوں نے 'حدیث غدیر' کی توثیق فرمائی نیز یہ بھی بیان کردینا ضروری ہے کہ ان تمام محدثین کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ لیکن بطور

اختصار صرف ان کا ذکر کریں گے جن کی توثیقات کو ہم نے گذشتہ سوالوں میں ذکر کیا ہے، انشاءاللہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی جائے گی۔ان محدثین میں سب سے پہلے امام اہل السنۃ حضرت امام احمد بن حنبل ہیں کہ جنہوں نے ''حدیث غدیر'' کو''حدیث حسن'' قرار دیا ہے،اور انہوں نے اپنی کتاب ''المسند'' اور کتاب ''فضائل الصحابۃ'' میں دسیوں مقام پر حدیث غدیر کو متعدد صحابہ کرام سے روایت کیا ہے، اور امام احمد کی تحسین حدیث غدیر کو ابن تیمیہ جیسے متعصب نے اپنی کتاب ''منہاج السنۃ''(۸۶۴) السنۃ'' پر ذکر کیا آپ کا پورا نام احمد بن حنبل بن ہلال اور کنیت اُبو عبد اللہ الشیبانی البغدادی ہے آپ کی ولادت (۱۶۴ھ) ولادت میں ہوئی ہے اور وفات (۲۴۱ھ) میں ہوئی آپ فقہ وحدیث میں مستقل امام شمار کئے جاتے ہیں،اور آپ فقہاء اُربعہ یا ائمہ میں سے ایک ہیں، آپ کی وجہ سے اہل السنۃ کا فرقہ حنبلی المسلک کہلاتا ہے، آپ نے طلب حدیث کے لیے کوفہ، بصرہ، حجاز، یمن، شام اور جزیرہ وغیرہ کا سفر کیا امام بخاری، مسلم بن حجاج جو کہ ذخیرۃ حدیث کی سب سے مستند کتب بخاری شریف ومسلم شریف (صحیحین) کے مؤلفین ہیں، آپ ہی کے صحبت یافتہ اور شاگرد ہیں، آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔آپ کو تمام محدثین نے ثقہ حجت قرار دیا ہے، نیز آپ امام شافعی کے شاگردوں میں سے ہیں۔آپ اہل بیت رسالت ؑ کے بارے میں کسی حد تک نرم گوشہ رکھتے تھے،اسی لیے جب آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ نے اہل بیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا''**اما اهل البيتؑ فلا يقاس بهم أحد**'' کہ اَہل بیت طہارت وہ ذوات مقدّسہ ہیں کہ ان پر صحابہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔فضائل امام علی ابن ابی طالبؑ سے متعلق آپ کا یہ فرمان کتب تاریخ وسیر میں موجود ہے کہ ''**ماجاء لأحد من الفضايل بأسانيد الصحيحة ما جاء لعليؑ**'' کہ تمام ذخیرہ حدیث میں جس قدر صحیحۃ اُحادیث علیؑ کی فضیلت میں موجود ہیں کسی ایک صحابی کے حق اس قدر اُحادیث نہیں ملتیں۔حافظ ابن جوزی نے کتاب '' فضائل الامام احمد''صفحہ نمبر ۱۶۶ پر دونوں اقوال کو ذکر کیا ہے۔امام احمد کا دوسرا قول'' فتح الباری'' (۷۶۷)باب فضائل علی اور''

الاصابۃ'' اور''تہذیب التہذیب'' میں موجود ہے۔ نیز آپ نے اہل بیت رسالت سے مروی اسناد کو''سلسلۃ الذہب'' قرار دیا اور کہا کہ جس سند میں امام جعفر صادقؑ، امام محمد باقرؑ، امام زین العابدینؑ، امام حسینؑ اور امام علیؑ ذکر ہوں تو وہ سب سے زیادہ صحیح سند ہے مزید یہ بھی فرمایا:'

'لو قرأ هذا الأسناد علىٰ مجنون لأفـــاق'' کہ اگر اہل بیت کی سند کے سلسلۃ الذہب کو کسی مجنون پر پڑھا جائے تو اسے شفاء مل جائے گی۔ دوسرے محدث جنہوں نے'' حدیث غدیر'' کی توثیق کی ہے وہ کتب صحاح ستہ میں سے'' جامع الترمذی'' کے مؤلف ہیں جن کا نام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابوعیسیٰ ہیں آپ''امام ترمذی'' کے نام سے مشہور ہیں آپ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور (۲۷۹ھ) میں وفات پائی، آپ کو امام بخاری کا شرف تلمذ بھی حاصل ہے، آپ کا شمار ان محدثین و حفاظ حدیث میں ہوتا ہے کہ جن کی علم حدیث و رجال میں اقتدا کی جاتی ہے، آپ نے کتاب الجامع کے علاوہ''علل الحدیث'' اور تاریخ پر کتب تألیف کی ہیں۔ آپ کی تألیفات کے متعلق ابو سعد ادریسی یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسے آدمی کی تالیفات ہیں کہ جو صاحب علم وتقویٰ تھے، اور ان کے حفظ کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے، آپ کی نسبت امام بخاری نے یہ کہا کہ امام ترمذی باوجود میرا شاگرد ہونے کی اتنا فائدہ نہیں اٹھایا کہ جتنا باوجود استاد ہونے کے میں نے اٹھایا ہے۔ امام ترمذی اپنی کتاب'' جامع الترمذی'' کے صحت کے بارے میں یہ کہتے ہیں، کہ جب میں نے یہ کتاب تالیف کی تو اسے محدثین حجاز وعراق اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو سب میری اس تالیف سے خوش ہوئے اور اس کو پسند کیا، نیز امام ترمذی کا خود اپنا قول تو ہر عام وخاص کو معلوم ہے کہ **''من كان في بيته هذا الكتاب فكأنّما نبيّ يتكلّم في بيته** ' کہ جس گھر میں یہ میری کتاب'' جامع ترمذی'' موجود ہے گویا اس کے گھر میں خود پیغمبر اسلامؐ کلام فرما رہے ہیں۔ البتہ اس کا بات کا بیان یہاں ضروری ہے کہ بعض محدثین نے امام ترمذی کے بارے میں یہ کہا کہ وہ کسی حدیث کی تحسین وتصحیح کے بارے میں متساہل ہیں کہ سند حدیث میں کسی راوی کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کی توثیق کر دیتے ہیں، لیکن جامع الترمذی میں'' حدیث غدیر'' کی توثیق سے متعلق

ایسے تساہل کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ ''حدیث غدیر'' کو امام ترمذی نے ان راویوں سے روایت کیا ہے، جن سے امام بخاری و مسلم ہر دو نی نے اپنی صحیحین میں روایات درج کی ہیں جیسا کہ سوال نمبر؟ میں گذر چکا ہے۔ تیسرے محدث جنہوں نے ''حدیث غدیر'' کو صرف صحیح ہی نہیں بلکہ ''حدیث متواتر'' تسلیم کیا ہے، وہ مشہور محدث و مؤرخ و مفسر وفقیہ حافظ محمد بن جریر الطبری ہیں، آپ کی ولادت (۲۲۴ھ) اور وفات (۳۱۰ھ) میں ہوئی۔ آپ کی نسبت ابن تیمیہ نے یہ کہا کہ ابن جریر طبری صرف ثقہ عادل ہی نہیں بلکہ ان کی تفسیر جامع البیان امہات تفاسیر میں شمار ہوتی ہے اور سب سے صحیح ترین تفسیر قرآن ہے۔ نیز حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے ابن جریر طبری کے احوال میں یہ لکھا ہے ''**كان أحد الأئمة يحكم بقوله ويرجع اليرأيه لمعرفته وفضله، جمع من العلوم ما لم يشاركه فيه حد من اهل عصره، فكان حافظا لكتاب الله، بصيراً لمعاني فقيهاً في أحكام القرآن عالماً بالسنن وطرقها وسقيمها، وناسخها ومنسوخها، عارفاً باقوال الصحابة والتابعين، بصيراً بايّام الناس وأخبارهمله**'' تاریخ الاسلام'' (تاریخ الطبری) والتفسیر الذی لم یصنف مثلہ (تفسیر الطبری) محمد بن جریر طبری آئمہ اربعۃ کے ہم پایہ مستقل فقیہ اور امام ہیں جو کسی کی تقلید کی بجائے خود فیصل وفقیہ تھے ان کے علم وفضیلت اور معرفت دین کی بنیاد پر ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور اپنے زمانہ میں تمام علوم اسلامی کے جامع تھے ان جیسا ان کے کوئی ہمعصر نہیں تھا، وہ کتاب خدا کے حافظ اور علم لغت سے بابصیرت، قرآن شناسی میں بہترین فقیہ، قرآن وسنّت کے عالم، اسناد حدیث میں صحیح وضعیف میں تمیز کرنے والے، اور علم ناسخ ومنسوخ کے ماہر، اور اقوال صحابہ وتابعین سے پوری طرح بابصیرت، اور علم تاریخ کے امام اور انہوں نے تاریخ اسلام پر ایک مستقل کتاب جسے ''تاریخ طبری'' کہا جاتا ہے تالیف کی اور تفسیر قرآن کی سب سے جامع ومانع تفسیر'' جامع البیان''، لکھی کہ جس کی مثل اور کوئی تفسیر نہیں ہے اور مشہور محدث حافظ ابن حزیمہ نے کہا ہے ''**ما اعلم على أديم الأرض أعلم من**

ابن جریر ''کہ میں نے روئے زمین پر ابن جریر طبری جیسا عالم نہیں دیکھا! البتہ بعض حنابلہ نے ان کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا کہ ابن جریر تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے امام احمد بن حنبل کو صرف محدث کہا اور فقیہ تسلیم نہیں کیا۔ بعض دیگر لوگ بھی حنبلیوں کے اس پروپیگنڈہ سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے انہوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ابن جریر طبری کو شیعہ مشہور کر دیا جبکہ حافظ ابن کثیر نے ''البدایۃ والنہایۃ'' (۱۱-۱۱۱) پر ابن جریر کے حالات سنۃ (۳۱۰ھ) پر ان کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے۔ **''ودفن فی داره لان بعض عوام الحنابلة رعاعهم منعوا دفنه نهاراًونسبوه الی الرفض، ومن الجهلة من رماه بالالحاد وحاشا من ذلك، بل كان أحد آئمة الاسلام علماً وعملاً بكتاب الله وسنة رسوله''۔**

کہ حافظ الحدیث، امام المفسرین محمد ابن جریر طبری بعض عوام حنابلہ کے ظلم کا شکار ہوئے کیونکہ ان کی نسبت تشیع کا الزام لگایا جس کیوجہ وہ اپنے گھر میں دفن ہوئے، حالانکہ ابن جریر طبری ان تمام تہمتوں سے مبرا تھے، بلکہ وہ اسلام و مسلمین کے ایک امام اور علمی و عملی اعتبار سے قرآن وسنت رسول کے جلیل القدر عالم تھے۔

چوتھے عالم بالحدیث جنہوں نے ''حدیث غدیر'' کو متواتر اور صحیح قرار دیا ہے وہ مشہور مورخ و محدّث حافظ ابوعبداللہ الذہبی الدمشقی ہیں جن کا نام محمد بن احمد بن عثمان ہے، آپ کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی، ان کی شخصیت و حیثیت ہر طالب حدیث کے ہاں مسلّم ہے، آپ نے رجال حدیث پر دسیوں کتب تالیف کی ہیں جن میں سے ''سیر اعلام النبلاء'' (تقریباً ۳۰ جلدوں میں)

''میزان الاعتدال'' (۹ جلدوں میں اور اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ''تاریخ اسلام'' (جو کہ ۵۰ ضخیم جلدوں میں جدید تحقیق و تعلیق سے مزین ہو کر لبنان سے چھپ چکی ہے) تالیف کی ہیں اور اسی طرح ''تذکرۃ الحفاظ'' (۴ جلدوں میں) جو کہ صرف حفاظ حدیث کے احوال پر ہے، اور کتاب ''الکاشف'' جو کہ صرف صحاح ستہ کے رجال میں ہے، وہ آپ ہی کی تالیفات ہیں اور بعد والے تمام محدثین انہی کی تالیفات سے استفادہ کرتے ہیں حتی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی جیسا بلند پایہ محدث

وفقیہ آپ کے مرتبہ تک رسائی کے لیے بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہے۔جن کا ذکر آیا ہی چاہتا ہے۔

پانچویں نمبر حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں جنہوں نے حدیث غدیر کی بعض اسانید کو حسن اور بعض کو صحیح قرار دیا ہے۔اور حدیث غدیر کی توثیق کی ہے آپ کا مکمل نام احمد بن علی بن محمد اور کنیت ابوالفضل اور محدثین اور اہل علم کے ہاں حافظ ابن حجر عسقلانی کے نام سے مشہور ہیں آپ مسلکی اعتبار سے شافعی ہیں آپ کی ولادت (۷۷۳ھ)اور وفات(۸۵۲ھ)میں ہوئی، آپ'' صحیح بخاری'' کی سب سے جامع اور مستندترین شرح لکھی ، اس کے علاوہ دسیوں کتب رجال وحدیث کے موضوع پر تالیف کی ہیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور'' تہذیب التہذیب'' اور اس کا خلاصہ'' تقریب التہذیب'' '' لسان المیزان'' '' الدرر الکامنۃ''،''شرح نخبۃ الفکر''،''التلخیص الجیر ''،''الاصابۃ''ہیں۔آپ کے بارے میں حافظ جلال الدین السیوطی نے'' طبقات الحفاظ'' کے آخر میں لکھا ہے،وہ **شیخ الاسلام وامام الحفاظ فی زمانہ، وحافظ الدیار المصریۃ، بل حفاظ الدنیا قاضی القضاۃ الشافعیہ، فقد انتفعت فی الفن تبصانیہ، وقد استفدت منہ الکثیر، وقد غلق بعدہ ھذا الباب ، وختم بہ ھذا الشان**''۔

کہ ابن حجر عسقلانی شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے اور اپنے زمانہ کے تمام حفاظ حدیث کے پیشوا، مصر بلکہ مطلق طور پر پوری دنیا کے حافظ الحدیث تھے اور مسند قضا پر فائز تھے اور میں نے ان کی تصانیف سے علم حدیث میں بہت استفادہ کیا اور علم حدیث کے بارے میں ان کے بعد یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے ہوگیا۔

چھٹے محدث ومفسر وفقیہ ومؤرخ حافظ ابن کثیر ہیں جنہوں نے '' حدیث غدیر'' کی تحسین وتصحیح فرمائی اوراس کے تواتر کی بھی تاکید کی، آپ کا نام اسمٰعیل بن عمر بن کثیر اور کنیت أبو الفداء اور لقب عماد الدین ہے، شافعی المسلک ہیں۔۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۷۴ھ میں وفات پائی، آپ کو حافظ ذہبی، ابن تیمیہ، اور حافظ ابن القیم کی صحبت اور شاگردی کا شرف بھی حاصل

ہے آپ نے ''تفسیر قرآن'' پر ایک عمدہ تفسیر بنام ''تفسیر قرآن العظیم'' لکھی جو کہ اہل علم کے ہاں ''تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے مشہور ہے، اور یہ تفسیر ابن جریر طبری ، تفسیر ابن ابی حاتم اور ''تفسیر الدرالمنثور'' کی طرز پر تفسیر بالروایۃ ہے۔ اسی طرح علم تاریخ پر بھی نہایت ہی جامع وضخیم تاریخ لکھی جس کا نام ''البدایۃ والنہایۃ'' ہے اور اکثر اسے ''تاریخ ابن کثیر'' بھی کہتے ہیں۔ اسی تاریخ کی پانچویں اور ساتویں جلد میں انہوں نے حدیث غدیر کی تصحیح کی اور اسے متواتر کہا۔ آپ نے حدیث کے موضوع پر ''جامع المسانید والسنن'' بھی لکھی ہے، جو کہ کم از کم (۳۸) جلدوں پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ بھی رجال وحدیث پر متعدد کتب تالیف کی ہیں، آپ کی نسبت حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ ''**ھو الامام المفتی المحدث البارع ثقه متقن**''

'' ابن کثیر علوم حدیث کے امام اور فقیہ مفتی (صاحب فتویٰ) اور بلند پایہ محدّث اور ثقہ و متقن تھے''

ساتویں محدّث ومورخ ومفسر اور فقیہ حافظ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی ہیں جو ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔ برادران اسلام کے ہاں ان سے بڑا کوئی ایسا مؤلف ومصنف نہیں گذرا کہ جس نے ان سے زیادہ کتب تالیف کی ہوں، آپ نے تمام علوم اسلامی پر کم از کم پانچ سو (۵۰۰) کتب تألیف کیں ،علم صرف، نحو، قرآت، تجوید، تفسیر وحدیث وتاریخ ورجال وسیر ومغازی وجرح وتعدیل ادب ومعانی وبیان ولغۃ وادب وشروح وتعلیقات کوئی ایسا فن نہیں کہ جس پر ان کی کوئی نہ کوئی تالیف مل جاتی ہے، انکی نسبت مشہور مؤرخ علاّمہ ابن العماد حنبلی نے اپنی کتاب ''شذرات الذہب'' (۵۳۷) میں لکھا ہے۔'

'وكان اعلم اهل زمانه بعلم الحديث و فنونه وغريباو متنا وسنداً واسطنباطاً للأحكام منه وأخبر عن نفسه انه ماتى حديث ألف حديث قالو ولو وجدت أكثر لحفظته''۔

کہ علامہ سیوطی اپنے زمانہ میں علم حدیث اور اس سے متعلق دیگر علوم رجال ولغت حدیث ، متون حدیث، اسانید حدیث، فقاہت حدیث کے سب

سے بڑے عالم تھے، علامہ سیوطی نے اپنے بارے میں کہا کہ میں نے دو لاکھ احادیث کو یاد کیا نیز یہ کہا کہ اگر اس سے زیادہ احادیث مجھے مل جاتیں تو میں انہیں بھی حفظ کر لیتا، مشہور کتاب ''الجامع الکبیر'' جو کہ اکّیس (۲۱) ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کا خلاصہ ''الجامع الصغیر'' ان کے اس قول کی تصدیق کرتی ہیں اسی طرح مشہور تفسیر الدر المنثور'' الاتقان'' ''تاریخ الخلفاء'' ''طبقات المحدثین'' اور ''الدررۃ المتناثرۃ'' کے بھی مؤلف ہیں وآپ مسلکاً شافعی المذہب ہیں۔اس کے بعد مشہور محدث وفقیہ جنہوں نے ''حدیث غدیر'' کی توثیق و تصحیح فرمائی، وہ الاعلی بن سلطان القاری ہیں، حنفی المسلک ہیں، آپ کی وفات ۱۰۱۴ھ میں ہوئی، و''مشکوٰۃ المصابیح'' کی مشہور شرح'' مرقاۃ المفاتیح'' گیارہ ضخیم جلدوں میں تألیف فرمائی اس کے علاوہ ''انوار القرآن'' بھی تألیف کی، اس کے علاوہ مشہور محدث علاّمہ محمد بن اسمٰعیل الیمانی ہیں جنہوں نے ''حدیث غدیر'' کو متواتر تسلیم کیا ہے، آپ سنۃ (۱۰۵۹) کو کحلان نامی شہر میں پیدا ہوئے اور سنۃ (۱۱۸۲ھ) میں وفات پائی، آپ نے حافظ ابن حجر کی کتاب ''سبل السّلام'' کی شرح بھی لکھی اور ابن دقیق العید کی کتاب کی شرح'' العمدۃ شرح العمدۃ'' بھی آپ کی مؤلفہ ہے اسی طرح علم اصول حدیث پر ''اسبال المطر'' شرح'' قصب السکر'' جو کہ ''دار السلام'' سعودی عرب سے شائع ہوئی، آپ کی تصنیف ہے، اسی کتاب میں'' حدیث متواتر'' کے بیان میں'' حدیث غدیر'' کو تواتر کے طور پر بطور مثال پیش کیا، اور پاکستان کے مشہور محدث علامہ محمد رفیق اثری نے اس پر عمدہ حاشیہ بھی لکھا ہے۔

آٹھویں صدی کے مشہور مفسر ومحدث علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتّی ہیں جن کا تعلق ہند سے ہے، آپ مشہور محدث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد رشید ہیں، پاک وہند کے علمی حلقوں میں مسلّم شخصیت ہیں، آپ نے ''تفسیر المظہری'' کے نام پر قرآن مجید کی بہت مشہور تفسیر لکھی، اسی تفسیر میں آیت ولایت کے ضمن میں'' حدیث غدیر'' کو متواتر کہا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے مایہ ناز محدّث وفقیہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی خاتم المحدّثین ہیں، آپ مشہور محدّث حضرت علاّمۃ الہند شاہ عبد العزیز صاحب ''تحفۃ اثنا عشریہ'' کے والد بزرگوار ہیں آپ ۱۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے، اور

۱۱۷۶ھ میں وفات پائی، اپنی کتاب ''ازالۃ الخفاء'' میں حدیث غدیر کو متواتر تسلیم کیا ہے، اس کے علاوہ '' حجۃ البالغۃ'' اور '' الفوز الکبیر'' آپ ہی کی تألیفات ہیں۔اسی طرح عصر حاضر کے مشہور محدّث ومحقق علامہ ناصر الدین البانی کہ جن کی علم حدیث پر تحقیق وتعلیق تمام اہلسنت خصوصاً اہل حدیث کے ہاں مسلم ہے، آپ نے پوری کتب صحاح ستہ پر بہت عمدہ تعلیقات وتحقیقات لکھیں اور موجودہ زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا محقق اہل حدیث کے ہاں موجود نہیں ہے، آپ کے دسیوں شاگرد نے کتب حدیث وکتب تاریخ ورجال پر عمدہ حواشی وتعلیقات لکھیں، اپنی کتاب '' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ'' کے متعدد مقام پر حدیث غدیر کو متواتر کہا، بلکہ اس کی اکثر اسانید کو صحیح وحسن بھی کہا نیز جن لوگوں نے حدیث غدیر کی صحت میں کلام کیا اس کو بھی رد کیا حتی کہ ایک مقام پر علامہ ابن تیمیہ پر بھی نقد وجرح کی ہے کیونکہ انہوں نے حدیث غدیر کی صحت میں کلام کی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

سوال نمبر۱۰: کیا کسی مستند عالم اهل السنّة یا ماهر علم رجال وحدیث نے '' حدیث غدیر''پر کوئی جزوہ یا مستقل کتاب لکھی ھے کہ جس میں اس کی تمام اسانید وطرق کو جمع کیا ھو؟

جواب: حدیث غدیر کے موضوع پر برادران اسلام کے بلند پایہ محدّثین ومفسّرین ومؤرّخین نے کئی کتب تألیف کی ہیں جن میں سے چند ایک کو بطور اختصار ذکر کرتے ہیں۔سب سے پہلے مشہور مفسّر ومحدّث وفقیہ حافظ ابن جریر طبری ہیں جن کا ذکر گذشتہ بحث میں گزر چکا ہے، آپ نے کتاب الولایۃ'' یا ''کتاب الموالاۃ'' کے نام سے ضخیم کتاب تالیف کی ہے جس میں انہوں نے '' حدیث غدیر'' کو کم از کم پچھہتر (۷۵) صحابہ سے باسانید صحیحہ نقل کیا ہے جیسا کہ اس کا تذکرہ حافظ ابن کثیر دمشقی نے '' البدایۃ والنہایۃ'' جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۱ پر ابن جریر طبری کے حالات میں کیا ہے۔چنانچہ لکھا ہے: ''وقد رأیت لہ کتاباً جمع فیہ احادیث غدیر خم فی مجلّدین ضخیمین'' کہ میں نے امام ابن جریر طبری کی تالیف کردہ ''کتاب الولایۃ'' دو ضخیم میں جلدوں میں دیکھی جس میں انہوں نے''

حدیث غدیر" کی اکثر اسانید وطرق کو جمع کر دیا، نیز "البدایۃ والنہایۃ" جلد۵صفحہ۱۴۹ پر ابن جریر طبری کی "کتاب الولایۃ" کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"وقد اعتنى بأمر هذا الحديث أبو جعفر محمد بن جرير الطبري صاحب " التفسير و التاريخ" مجمع فيه مجلدين اورد فيهما طرقه و الفاظه" صاحب تاریخ وتفسیر اُبوجعفر طبری نے "خدیث غدیرخم" کے موضوع پر دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی جس میں انہوں نے حدیث غدیر کی جملہ اسانید و طرق کو جمع کر دیا۔ابن جریر کی مذکورہ کتاب الولایۃ کا تذکرہ علاّمہ یمانی نے اپنی کتاب "اسبال المطر" صفحہ۲۷ پر حدیث متواتر کی بحث میں کیا ہے جیسا کہ گذشتہ سوال کے ضمن میں گذر چکا ہے۔ اسی طرح مشہور محدث ومؤرخ حافظ ذہبی نے بھی ابن جریر کی "کتاب الولایۃ" کا ذکر اپنی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" جلد۲صفحہ نمبر۲۰۱ میں جریر کے حالات میں ان الفاظ میں کیا ہے۔**قلت : رأيت مجلّداً من طرق الحديث لابن جرير فاندهشت له ولكثرة لتلك الطرق"** کہ میں نے ابن جریر طبری کی کتاب "الولایۃ" کو دیکھا اور اس میں "حدیث غدیر" کی کثرت اسانید کو دیکھ کر میں دہشت زدہ ہوگیا۔اس کے علاوہ خود حافظ اُبوعبداللہ ذہبی نے بھی اس موضوع پورا ایک کتاب لکھی جیسا کہ علامہ سمٰعیل الامیر الیمانی نے اپنی کتاب ا" اسبال المطر" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

"و صنف الذهبي جزاً في طرقه وحكم بتواتره' کہ حافظ ذہبی نے "حدیث غدیر" کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا جس میں انہوں نے "حدیث غدیر" کی اسانید کو جمع کر دیا اور اس پر حدیث متواترہ کا حکم لگایا، ایران میں اس کا نسخہ چھپ چکا ہے۔اسی طرح حافظ الدنیا اُبوالقاسم ابن عساکر دمشقی نے اپنی مشہور کتاب " تاریخ مدینہ ودمشق" جو کہ کم اوکم سترّ (۷۰) ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے کی بیالیسویں جلد میں " حدیث غدیر" کی اکثر اسانید کو جمع کر دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے " البدایۃ والنہایۃ" (۱۴۹۵) پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔اسی طرح مشہور محدث وحافظ الحدیث علامہ احمد بن محمد بن سعید

الہمدانی المعروف حافظ ابن عقدہ نے ''حدیث غدیر'' پر سب سے عمدہ وجامع کتاب ''الولایۃ'' تحریر کی جس میں انہوں نے ''حدیث غدیر'' کوتقریباایک سو پچاس صحابہ کرام سے روایت کیا ہے جیسا کہ علامہ الأمیر الیمانی نے '' اسبال المطر '' صفحہ نمبر ۲۸ پر حدیث متواتر کے ضمن میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ وذکر ابوالعباس ابن عقدہ ''حدیث غدیرخم''

من مأةوخمسین طریقاً، وافرد له کتــاباً'' حافظ ابن عقدہ کی مذکورہ تالیف کا ذکر دسیوں محدّثین اور علماء رجال نے کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری، شرح صحیح بخاری'' جلد ۷ صفحہ نمبر ۱۹۳ اور ''تہذیب التہذیب'' میں أمیر المؤمنین الامام علی بن أبی طالبؑ کے حالات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور مشہور محدّث علاّمہ عبد الرؤف مناوی نے '' فیض القدیر'' جلد ۶، صفحہ نمبر ۲۸۲ حدیث نمبر ۹۰۰۰ کی شرح میں ابن عقدہ کی مذکورہ کتاب الولایۃ کا ذکر کیا ہے، البتہ بعض حضرات نے ابن عقدہ سے متعلّق یہ مشہور کر دیا کہ یہ شیعہ بلکہ رافضی تھے حالانکہ حافظ أبو عبداللہ ذہبی اور حافظ ابن کثیر جیسے محتاط محدثین نے اسے بلند پایہ محدث قرار دیا ہے جیسا کہ ''سیر اعلام النبلاء'' جلد ۵ صفحہ ۳۴۱ میں حافظ ذہبی نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

''ابـوالعبـاس الـکـوفـی الحفظ العلّامـه احـد اعـلام الـحد یـث ونـادرـة الزّمـان وهـو المعروف بالحافظ ابن عقده''

اور صفحہ نمبر ۳۴۳ پر اس کے تشیّع پر بحث کرتے ہوئے یوں دفاع کیا۔**قـلـت:قد رمی ابن عقده بـالتشیّع ولکن روایته لهذا ونـحـوه یـدل عـلـی عدم علوه فی تشیعه''**

اگر چہ حافظ ابن عقدہ پر تشیّع کا الزام لگایا گیا ہے لیکن ان کی اس طرح کی روایات اس کے علوہ کی نفی کرتی ہیں، نیز لکھتے ہیں '' **و من بلغ فی الـحـفـظ والآثـار مبلغ ابن عقده، ثـم یـکـون فی قلبه علی السابقین الأولیـن فهـو معاند او زندیق''** اگر کوئی محدّث یا عالم حفظ احادیث و آثار صحابہ میں ابن عقدہ کے مقام پر فائز ہو یعنی ابن عقدہ کا ہم پایہ ہو، پھر اس کے دل میں سابق الی الاسلام صحابہ کرام کے بارے میں بعض وغیرہ ہو تو وہ

زندیق اور بے دین ہے لیکن ابن عقدہ تو اعلام المحدثین اور حفاظ حدیث سے ہیں۔

سوال نمبر۱۱: **جن علماء أهل السنّة نے ''حدیث غدیر'' کو ضعیف قرار دیا ھے تو وہ کن علل و اسباب کی وجہ سے؟**

جواب: برادران اسلام کے جن بزرگوں نے ''حدیث غدیر'' کی صحت میں کلام کی ہے ان میں سے علاامہ ابن تیمیہ اور ابن حزم پیش پیش ہیں ان ہر دو بزرگوں نے حدیث غدیر کی صحت سے انکار کے لیے معقول وجہ تو دور کی بات ہے کوئی نامعقول سبب بھی پیش نہیں کیا۔ہم سب سے پہلے علامہ ابن حزم اور ابن تیمیہ کا مقام ومنزلت کا ذکر کرتے ہیں وہ خود کس قدر ماہرین نقد ورجال ہیں یا ان کی جرح کا محدثین کے ہاں کیا مقام ہے، اس کے بعد ہم ان کی ''حدیث غدیر'' پر جرح اور اس کے علل واسباب کو ذکر کریں گے۔تو سب سے پہلے ابن تیمیہ اور ان کی جرح کی حیثیت۔ابن تیمیہ محدثین کے ہاں أئمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں اور نہ ہی ان کی جرح کو محدثین نے تسلیم کیا ہے بلکہ اکثر محدثین نے تو ابن تیمیہ کو ان بزرگوں کی صف میں شمار کیا ہے جن کی جرح کا نہ اعتبار ہے اور نہ ہی کوئی معیار ہے۔ بلکہ اسے متعصب متعنت اور در باب جرح متشدد قرار دیا ہے جیسا کہ یہ بات علم حدیث کا ادنی طالب علم بھی جانتا ہے مثلا حضرت مولانہ خیر محمد جالندھری نے اپنے رسالہ'' خیر الأصول فی حدیث الرسول'' کے صفحہ ۱۱ پر ابن تیمیہ کو ان حضرات میں شمار کیا ہے کہ جو جرح میں متعنت شمار ہوتے ہیں اور جن کی جرح از روئے قواعد حدیث باطل ومردود ہے اور یہی حال ابن حزم کا ہے۔ہم ابن تیمیہ، ابن حزم اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کے جنہوں نے حدیث غدیر کی صحت میں کلام کی ہے کا تفصیلی تذکرہ اور ان کے بارے میں محدثین اور علماء اسلام کے تأثرات سوال نمبر۱۲ کے ذیل میں کریں گے۔

اب یہاں ابن تیمیہ کی جرح کو ذکر کرتے ہیں۔وہ اپنی کتاب ''منہاج السنّۃ'' جلد ۴ صفحہ ۸۶ میں حدیث غدیر پر جرح اور دلائل جرح کو اس طرح ذکر کرتے ہیں

''واما من کنت مولاہ فعلی مولاہ، فلیس فی الصحاح لکن ھو مما رواہ العلماء و تنازع

الناس فی صحته! فنقل عن البخاری وإبراهیم الحربی و طائفة من أهل العلم بالحدیث انهم طعنوا فیه وضعّفوه، وقال ابن حزم: واما من کنت مولاه فعلی مولاه''فلا یصحّ من طریق الثقات أصلاً!'

یہاں ابن تیمیہ نے ''حدیث غدیر'' کی صحت کا انکار''**فلیس هو فی الصحاح**''کہ کر کیا ہے پھر استشہاد امام بخاری اور ابراہیم حربی کے علاوہ ابن حزم کے قول کو پیش کیا ہے۔ اب ہم تفصیل سے ابن تیمیہ کے خود ساختہ قول''فلیس ہو فی الصحاح پر بحث کرتے ہیں، اس کے بعد امام بخاری اور ابراہیم حربی اور ابن حزم کے اقوال کا جائزہ لیں گے۔قول ابن تیمیہ:''**فلیس هو فی الصحاح**' لیکن ہو ممارواہ العلماء کہ حدیث غدیر کتب صحاح وغیرہ میں روایت نہیں کی گئی بلکہ اسے بعض دیگر علماء سے روایت کیا ہے۔اب اہل علم خصوصاً اہل حدیث ہی اس کا فیصلہ کریں کہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ'' حدیث غدیر'' کتب صحاح میں نہیں پائی جاتی اور کتب صحاح سے مراد صرف''صحیح بخاری اور صحیح مسلم'' ہیں یا اس کے علاوہ اور کتب احادیث بھی صحاح میں شامل ہیں؟ یہاں ابن تیمیہ نے کتب صحاح کی تعیین نہیں کی، حالانکہ یہ حقیقت علم حدیث کا طالب اور خصوصا دورہ حدیث کرنے والا ہر طالب علم بھی جانتا ہے کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کے علاوہ بھی کتب احادیث کو محدثین نے کتب صحاح میں شمار کیا ہے۔ کیا محدثین نے''صحیح ابن حبّان، صحیح ابن خزیمہ، المنتقی ابن جارود، جامع الترمذی ،مستدرک حاکم کے علاوہ کئی دیگر کتب احادیث پر صحاح کا اطلاق نہیں کیا، کیا صحاح ستہ کی دیگر کتب، ترمذی شریف، سنن أبی داؤد، سنن نسائی، اور سنن ابن ماجہ میں صحیح احادیث نہیں ہیں؟ اگر ابن تیمیہ کی صحاح سے مراد صرف بخاری و مسلم ہی ہیں کہ تمام صحیح احادیث کو انہی دو کتب میں جمع کر دیا گیا ہے اور ان دو کتب سے باہر ذخیرہ احادیث کی دیگر کتب مسانید ومعاجم وسنن وجوامع ومستدرکات ومصنفات وغیرہ میں صحیح احادیث نہیں پائی جاتی تو ان کا یہ نظریہ نہ صرف بخاری ومسلم کے نظریات سے مختلف ہے بلکہ یہ خود ابن تیمیہ کے علم حدیث سے تہی دامن ہونے کا ثبوت ہے۔سوال نمبر ۵ کے ضمن میں امام

بخاری اور امام مسلم کے خود اپنی کتب کے بارے میں یہ نظریہ گذر چکا ہے کہ جسے علم حدیث کی سب سے مستند **کتاب ترین** : کتاب ''مقدمہ ابن صلاح'' کی پہلی نوع میں ذکر کیا گیا ہے ہم دوبارہ بطور خلاصہ بیان کئے دیتے ہیں۔

ولم یستوعبا الصحیح ولا التزاما'' کہ تمام صحیح احادیث کو بخاری و مسلم نے اپنی کتب (صحیحین) میں جمع نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے اس کو لازمی سمجھا، چنانچہ خود امام بخاری یہ قول

''ترکت من الصحاح أکثر'' کہ میں نے بہت سی صحیح احادیث کو ترک کر دیا اور بہت کم صحیح احادیث کو اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں ذکر کیا ہے۔ نیز امام بخاری کا یہ قول: **أحفظ مأة ألف حدیث وجملة ما فی کتابه سبعة آلاف ومأتان و خمسة وسبعون حدیثاً** '' کہ انہوں نے ایک لاکھ صحیح احادیث کو یاد کیا تھا، جبکہ اپنی کتاب میں صرف ۷۲۷۵ احادیث کو داخل کیا اب ابن تیمیہ ہی فیصلہ کر دیتے کہ بقیہ تقریبا ۹۲۷۵ احادیث صحیحہ کہاں چلی گئیں۔ کیا محدثین وحفاظ نے کتب اصول حدیث میں یہ وضاحت نہیں کر دی : **ثم ان الزیادة فی الصحیح تعرف من السنن المعتدة کسنن أبی داؤد والترمذی والنسائی وابن حزیمه والدار قطنی و الحاکم والبیهقی وغیرها منصوصا علی صحته!** دیکھو ''تدریب الراوی'' صفحہ ۹۳ مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۵ کتاب '' التقریب'' صفحہ ۲۹ کہ بخاری و مسلم سے رہ جانے والی احادیث مستند کتب احادیث سنن أبی داؤد، جمع ترمذی شریف، سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، تالیفات دار قطنی، مستدرک حاکم اور تألیفات أبو بکر بیہقی وغیرہ میں ہیں اور ان میں سے اکثر نے اپنی کتب کی روایات کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ باقی یہ بھی مسلّم ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں اگر چہ صحیح احادیث کے علاوہ احادیث حسن وضعیف بھی ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی بقیہ احادیث غیر مقبول ہیں۔ البتہ ان کتب کی وہ احادیث جو علم حدیث ورجال کی رو سے ثقہ وعادل رواۃ سے مروی نہیں وہ اپنے مقام پر صحیح ہیں ان کو اپنی خواہش نفس یا تأویلات باطلہ سے رد کر دینا

جہاں تک قواعد حدیث کو غلط کرنا ہے وہاں پر انکار حدیث کا دروازہ بھی کھولنا ہے اور وہ کسی مسلمان کے شایان شان نہیں، جبکہ ابن تیمیہ خود اپنی کتاب ''منہاج السنّۃ'' کے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ در باب حدیث کتب صحاح کے علاوہ کتب سنن ومسانید ومعاجم پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ''منہاج السنۃ'' (۲۵۳) پر لکھا ہے

''الکتب التی یعتمد فی الحدیث علیها کالصحاح والسنن والمسانید مع ان فی بعض هذا ما هو ضعیف بل ما یعلم انه کذب لکن هذا قلیل جداً '' کہ کتب صحاح وسنن ومسانید میں اگرچہ بعض ضعیف احادیث ہیں تاہم در باب حدیث اعتماد انہی کتب پر کیا جاتا ہے، لیکن ان کتب میں کسی موضوع حدیث کا ہونا یہ بہت ہی نادر ہے، نیز جلد۴ صفحہ ۱۰۶ پر بھی اس مضمون کا تکرار کیا چنانچہ لکھتے ہیں: **:کتب الحدیث التی یعتمد علیها علماء لحدیث لا الصحاح ولا المسانید والسنن والمعجمات ونحو ذلك من الکتب۔** اب اصل موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔ کیا حضرت ابن تیمیہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ جو احادیث امام بخاری ومسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں وہ جسے محدّثین کی اصطلاح میں ''صحیح علی شرط الشیخین'' کہا جاتا ہے، صحیح احادیث نہیں؟ اور ''جامع ترمذی شریف'' (کہ جو داخل صحاح ستہ ہے) سے ''حدیث غدیر'' کہ جس کی سند کے تمام راوی بخاری شریف ومسلم ہر دو کے رجال سے ہیں اور امام ترمذی نے یہ حدیث باب فضائل علی بن ابی طالبؑ حدیث نمبر۳۷۲۲ پر اس سند سے ذکر کیا ہے۔

''حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبه، عن سلمة بن کهیل، قال: سمعت أبا الطفیل، یحدث عن أبی مریحة او زید بن أرقم، عن النبیّ(ص)، قال: '' من کنت مولاه فعلیّ مولاه''

اس حدیث کی صحت اور اسناد کی تفصیلی بحث سوال نمبر۴ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔ حدیث مذکورہ کی سند میں ایسا راوی بھی ایسا نہیں کہ علم جرح وتعدیل کی رو سے ضعیف ہو یا بخاری ومسلم کے رواۃ میں سے نہ ہو، تو کیا ابن تیمیہ کو ترمذی شریف سے یہ

حدیث نظر نہیں آئی کہ جو ''صحیح علی شرط الشیخین'' پر پوری اترتی ہیں۔ حالانکہ ابن تیمیہ نے ''منہاج السنۃ'' کے اسی صفحہ پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ''حدیث غدیر'' کو امام ترمذی حتی کہ خود ان کے مقتدا و پیشوا امام احمد بن حنبل نے ''حدیث حسن'' قرار دیا ہے، تو کیا امام احمد اور امام ترمذی ابن تیمیہ کے ہاں اہل علم میں شمار نہیں ہوتے ؟ حالانکہ ابن تیمیہ ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل کی پیروی کی وجہ سے حنبلی کہلاتے ہیں۔ بخاری شریف کتاب الجہاد حدیث نمبر ۳۰۵ باقی رہا ابن تیمیہ کا اپنے موقف کی تائید کے لیے امام بخاری یا ابراہیم حربی کے قول کا سہارا لینا کہ

''فنقل عن البخاری و إبراهيم الحربی وطائفة من أهل العلم بالحديث انهم طعنوا فيه وضعفوه'' '' منہاج السنۃ (۸۶۴) یہ بھی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی مثال ہے، کیونکہ امام بخاری نے ''متن حدیث غدیر'' کی صحت میں کلام کی ہے اور نہ ہی حدیث مذکورہ کی تمام اسانید کے رواۃ کو ضعیف یا مجروح قرار دیا ہے جبکہ ابن تیمیہ نے امام بخاری کے قول میں تدلیس کر کے پیش کیا ہے ورنہ امام بخاری نے اپنی کتاب '' التاریخ الکبیر'' جلد ا صفحہ نمبر ۳۷۵ میں اسمٰعیل بن نشیط کے حالات میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے لیجیئے اصل سند ومتن **''قال البخاری ، قال لی عبید، حدثنا یونس سمع اسمٰعیل ، عن جمیل بن عامر ان سالما حدثه من سمع النّبی ، یقول یوم غدیر خم، ''من کنت مولاه فعلیّ مولاه''** اس کے بعد امام بخاری اس سند حدیث پر ان الفاظ میں جرح کرتے ہیں ''وفی اسنادہ نظر! امام بخاری کی مذکورہ جرح کو علم حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ مذکورہ حدیث کی سند اسماعیل بن نشیط کی وجہ سے ضعیف جبکہ یونس اور اسماعیل کے مابین عدم اتصال کی وجہ سے منقطع ہے، لہذا امام بخاری کا مذکورہ سند کے بارے میں یہ کہنا ''وفی اسنادہ نظر'' صحیح ہے، لیکن اس سے یہ تأثر لینا کہ امام بخاری نے ''حدیث غدیر'' کی تمام اسانید کو ضعیف قرار دیا ہے یا اس کے متن حدیث کو رد کر دیا، یہ حقائق کو مسخ کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ باقی امام بخاری جیسے محتاط محدّث سے یہ بعید ہے کہ وہ

حدیث غدیر کے تمام رواۃ کو ایک ہی سانس میں مجروح قرار دیدیں کیونکہ حدیث ہذا کی کئی اسانید صحیح بخاری ومسلم شریف کے رجال سے روایت کی گئی ہیں (اور ہم حدیث غدیر وہ اسانید جو صحیح علی شرط الشیخین پر ہیں علٰحدہ ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے) لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ امام بخاری اپنی ''الجامع الصحیح'' کے رجال کو ضعیف قرار دیں کیونکہ یہ چیز صحیحین کی صحت کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ باقی ابن تیمیہ کا ابراہیم حربی کے قول کو بطور دلیل پیش کرنا چونکہ ابراہیم حربی پر ہم مطلع نہیں ہو سکے، یہ تو ابن تیمیہ کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ ابراہیم حربی کی جرح بر حدیث غدیر کو پورے طور پر مع سند ومتن نقل کرتے تا کہ اصل علم پر ان کی جرح واضح ہو جاتی کہ آیا وہ جرح مفسر یا جرح غیر مفسر، ان شآء اللہ ہم ابراہیم حربی کی جرح پر مطلع ہوئے تو اس کا بھی جواب باصواب عرض کریں گے۔ ابن تیمیہ کے علاوہ علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی اپنی کتاب ''الفصل فی الملل والاھوا والنحل'' جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۱۶ میں ''حدیث غدیر'' پر جرح کی ہے جیسے ابن تیمیہ نے ''منہاج السنۃ'' جلد ۴ صفحہ نمبر ۸۶ پر ذکر کیا ہے، ابن حزم کا قول یہ ہے! ''اما حدیث ''**من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ**'' فلا یصح من طریق الثقات اصلاً'' کہ ''حدیث غدیر'' کسی ایک سند سے کہ جس کے راوی ثقہ وعادل ہوں ثابت نہیں۔ حالانکہ ابن حزم سب سے پہلے ''حدیث غدیر'' کی تمام اسانید ومتون کو ذخیرہ احادیث سے جمع کر کے اہل علم کے سامنے لاتے پھر ہر سند میں اسباب جرح وتعدیل کے رو سے نشاندہی کرتے کہ ہر حدیث کی سند میں فلاں راوی کذاب، وضاع، دجال، متروک یا ضعیف الحدیث ہے تا کہ ہر طالب حدیث ان کے علم بالحدیث میں تبحر کی داد دیتا کہ واقعی ابن حزم صاحب علوم حدیث ورجال میں بہت راسخ ہیں، لیکن انہوں نے تو سرے سے یہ زحمت بھی نہیں فرمائی کم از کم انہیں ہیں اس موضوع پر مستقل کتاب یا جزوٴ لکھنا چاہئے تھا۔ بالفرض اگر ہم امام بخاری کی جرح پر سکوت ہی اختیار کر لیں لیکن یہ کہاں لکھا ہے کہ امام بخاری نے ''حدیث غدیر'' کی صحت کا مطلقاً انکار کیا ہے۔ اب ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا علم حدیث میں تبحر اور محدثین کے ہاں ان کی حدیث شناسی سے متعلق تأثرات پیش کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا مقام در باب جرح وتعدیل

ابن تیمیہ کی مشہور تألیف کہ جسے ''منہاج السنۃ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کتاب میں انہوں نے جس قدر احادیث نبوی (ص) تحقیر وتوہین کی ہے اس کی مثال ''منکرین حدیث'' میں بھی ملنا مشکل ہے، نیز در باب فضائل أہل بیت رسالت جن متواتر، صحیح اور ثابت شدہ احادیث کو رد کیا ہے اس بارے میں انہوں نے اصول حدیث، علم جرح، وتعدیل کے علاوہ جملہ قواعد واصول کو باطل ولایعنی قرار دیا ہے، اور اس مسئلہ میں تو ''منکرین حدیث'' کے لیے تمام دروازے کھول دیے، إنشآءاللہ ہم اس موضوع کو ''تبصرہ بر منہاج السنۃ'' اور ''منہاج لکرامۃ'' کی تعلیقات میں ذکر کریں گے۔ بطور اختصار ان کی کتاب ''منہاج السنۃ'' پر مشہور محدّث، حافظ ابن حجر سقلانی صاحب ''فتح الباری'' کے تأثرات ذکر کرتے ہیں تاکہ 'منہاج السنۃ'' کا معیار اور ابن تیمیہ کی حدیث شناسی ہر عام وخاص پر ظاہر ہو جائے، چنانچہ وہ ''لسان المیزان'' جلد ۷ صفحہ نمبر ۵۲۹ پر علامہ حلی کے حالات میں صاحب ''منہاج السنۃ'' پر یہ تبصرہ کرتے ہیں!

''طالعت الرّد المذکور فوجدته کما قال السّبکی فی '' الإستیفاء'' لکن وجدته کثیر التحامل إلی الغایة فی ردّ الأحادیث التی یوردها ابن المطهر وان کان ذلك من الموضوعات الواهیات لکنّه ردّه فی ردّه کثیراً من الأحدیث الجیاد التی لم تستحضر حالته التصنیف مظانها لأنّه کان لإتساعه فی الحفظ یشکل علی ما فی صدوره والإنسان عامد لل نسیان وکم من مبالغة لتوهین کلام الرافضی أدته أحیانا إلی تنقیص علیؓ''

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''منہاج السنۃ'' جو انہوں نے علامہ حلیؒ کی کتاب ''منہاج الکرامۃ'' کے رد میں لکھی اس میں انہوں نے بہت سی صحیح اور ثابت شدہ احادیث نبویہؐ کو رد کر دیا، ''منہاج السنۃ'' کی تألیف کے وقت ان احادیث کے مصادر موجود نہ تھے، ابن تیمیہ نے اصل مصادر حدیث کو دیکھنے کی بجائے صرف اپنے حافظہ کو کافی سمجھا جبکہ

انسان تو آماج گاہ نسیان ہے اور اس نے علامہ حلّیؒ کے کلام کی رد کرتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی توہین کا ارتکاب کیا۔اسی طرح مشہور محدث مولانا ظفر اُحمد عثمانی الحنفی نے اپنی کتاب ''قواعد علوم الحدیث'' صفحہ نمبر۱۹۱ میں ابن تیمیہ کو در باب جرح متشدد قرار دیا ہے، نیز صفحہ نمبر ۱۶۸ پر ابن تیمیہ کو ان حضرات میں شمار کیا ہے کہ جو اپنی کتب میں کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اسباب وعلل کی پرواہ نہیں کرتے، چنانچہ لکھا ہے:

ابن تیمیه وغیر هم فإنك تراهم فی کتبهم یجترحون ویضعفون دون بیان السبب''

☆☆☆☆☆☆

من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ

حضرت رسول کریمؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ''غدیر خم'' پر بیان فرمائی اسی لیے اسے ''حدیث غدیر'' کہا جاتا ہے۔

مقام غدیر مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کا تالاب تھا اور یہاں سے ایک راستہ یمن اور ایک راستہ شام، ایک راستہ واپسی مکہ معظّمہ اور ایک راستہ سیدھا مدینہ کو جاتا تھا۔گویا مقام غدیر چاروں اطراف سے ایک مرکزی جگہ پر تھا۔

توحید عملی اور اس کے انسانی زندگی پر اثرات

حجۃ الاسلام سید ثمر علی نقوی

لغت میں ''توحید'' سے مراد خدا کو ایک ماننا اور خدا کے ایک ہونے پر یقین کرنا ہے جب کہ اسلامی اصطلاح میں توحید کا لفظ ایک وسیع معنیٰ کا حامل ہے توحید یعنی خداوند متعال تمام کائنات کا خالق ،مالک ،رازق، مدیر ومدبر اور سر پرست ہے ۔قرآن مجید اور احادیث معصومینؑ نے سب سے زیادہ جس مسئلہ کو بیان کیا ہے وہ ''توحید'' ہے توحید پر ایمان کے بغیر انسانیت سے انسان خارج ہو جاتا ہے۔اسلامی عقائد میں عقیدہ توحید تمام عقائد کی اصل 'اساس' مرجع اور محور ہے عقیدہ کا تعلق دل سے ہوتا ہے اگر عقائد پختہ اور یقینی ہوں تو اس کے اثرات اعمال و کردار پر مترتب ضرور ہوں گے عقائد صرف ہمارے ذہن کی خوشی یا تسکین دل کے لیے بیان نہیں کیے گئے بلکہ یہ عقائد انسانی زندگی پر گہرے اثرات چھورتے ہیں بالخصوص ''توحید'' انسان کے لیے ایک کامیاب زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے اور اسے متوجہ کرتی ہے کہ وہ شخص جو خدائے یکتا اور عظیم صفات کی مالک ہستی سے مرتبط ہے، اس کا عمل کیسا ہونا چاہیے اس طرح وہ معاشرہ جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تحت قائم ہے اس کا طرز عمل کیا ہو؟ عقائد کو قبول کرنے کے ساتھ ہی عمل کا مرحلہ آتا ہے۔کہ جسے قبول کیا ہے اس پر عمل کی پابندی بھی ضروری ہے لہذا اسلامی عقائد صرف ذہن تک محدود و مقید نہیں ہونے چاہیں بلکہ انسانی زندگی میں عملی طور پر رائج ہوں۔

ایک موحد انسان کے اعمال وحرکات کو الٰہی صفات کا مظہر ہونا چاہیے۔توحید پر راسخ ایمان کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان میں احساس ذمہ داری پیدا ہو جاتا ہے مثلاً جب کوئی شخص اس بات پر معتقد ہو کہ اسے اور پوری کائنات کو پیدا کرنے والی ہستی یکتا ہے نیز علم قدرت ،حیات اور ہدایت کا سر چشمہ وہی ایک ذات ہے،تو ایسا مومن شخص اپنے امور میں نہایت درجہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے خود کو ایسی ذات والا صفات کا نیاز مند سمجھے گا۔پھر اسی ہستی کے نظام ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے لیے سرگرم رہے گا۔جب اسے یقین ہے کہ حیات وموت کا سرچشمہ یہی ذات ہے اور

اسے ایک مقصد کے لیےخلق کیا گیا ہے۔تو پھر اس کے اعمال فضول اور بیہودہ نہیں ہونگے۔ ہمیشہ متوجہ رہے گا کہ وہ اس دنیا کے لیے نہیں آخرت کے لیےخلق کیا گیا ہے جہان اسے خدا کے حضور پیش ہونا ہے

''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ''

''ہم خدا کے لیے ہیں اورہم نے خدا کی طرف جانا ہے''

لہذا اپنے فرائض و ذمہ داریوں سے عہدہ بر آہونے کی نہایت درجہ کوشش کرے گا تا کہ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتے وقت شرمساری کا منہ نہ دیکھنا پڑے اس موضوع کی تکمیل کے لیے توحید کی مختصر وضاحت نہایت ضروری ہے۔علمائے علم کلام کے درمیان یہ چیز معروف ہے کہ توحید کے اصلی و بنیادی شعبے اورقسمیں چار ہیں۔

۱۔توحیدذات یعنی خدا کی ذات یکتا اور بے مثال و بے نظیر ہے۔

۲۔توحیدصفات یعنی تمام صفات کا مرجع صرف ایک ہی ہے۔

۳۔توحیدعبادت یعنی عبادت وپرستش کے لائق یہی ذات ہے۔

۴۔توحیدافعال یعنی خلقت کائنات نیز اس مخلوق کی تدبیر کا انتظام اسی واحدہستی کی جانب سے ہے اورتمام حرکات وافعال کا مبداء خدا ہے پھر توحید افعالی کی بھی کئی اقسام ہیں جن میں سے اہم ترین یہ ہیں۔

''توحید خالقیت، توحیدربوبیت،توحید مالکیت، توحید حاکمیت ،توحید اطاعت ،

پس توحید یعنی''موثر حقیقی''اللہ ہے۔

''لاموثرفی الوجود الاّ ''

اللہ ،توحید یعنی ہرقسم کے طاغوت کی نفی توحید یعنی نظاموں پر خط بطلان (لا شرقیہ ولا غربیہ) توحید یعنی ان تمام رشتوں کوتوڑنا جومسلمانوں کے لئے اغیار کی بالادستی وتسلط کا سبب بنیں توحید یعنی کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرنا جس کا حکم خدا کی حدود کے مطابق نہ ہو۔توحید یعنی صرف ایسے افراد کی راہبری قبول کرنا جن کی راہبری کوخدا نے پسند فرمایا ہے۔توحید یعنی صرف 'خدائے لایزل ولا یزال' کی بندگی کرنا اور ہرقسم کی غلامی (خواہشات واستعمار) کا طوق اتار دینا۔المختصرتوحید یعنی انسان کا اٹھنا بیٹھنا بلکہ ہرعمل خدا کے لئے ہواوروہ ایسا معاشرہ تشکیل دے جس میں صرف خدا کی حکم

فرمائی ہو توحید پرست انسان جب اپنے دل و دماغ میں ان تمام اقسام کو بیٹھاتے ہوئے اسے روح کی غذا قرار دے گا تو ایسی روح کے اثرات اس کے اعمال وکرادار اور افعال وحرکات میں ضرور ظاہر ہونگے۔

ا۔محبت خدا

انسان کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ کمال مطلق کا خواہش مند رہا ہے بلکہ انسان بغیر محبت کے زندگی نہیں گزار سکتا جو کام کرتا ہے محبت واشتیاق اس کام کی محرک ہوتی ہے۔لیکن یہ محبت کس محبوب سے مربوط ہونی چاہیے اس میں اشتباہ کرتا ہے۔ جوانسان انحرافات کا شکار رہیں ان میں یہ محبت، زر ،زن اورزمین ،کی لذتوں تک محدود رہتی ہے۔ کیونکہ ایسے افراد حیوانات کی وادی میں گم ہیں انسان کا دل تو خدا کی محبت سے خالی نہیں رہ سکتا اور خدا کی محبت کے ساتھ غیر خدا کی محبت مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتی"**ماجعل الله لرجل من قلبين فی جوفه**"[۲]

امام جعفرصادقؑ فرماتے ہیں"**انسان کا ایمان** 'اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک خداونداس کی نگاہ میں اس کی اولاداور مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔[۳]

قرآن مجید میں خداوندکریم نے جب ان مومنین کا ذکر کیا ہے جو اللہ کے دین پر ثابت قدم رہنے والے ہوں گے توان کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ"يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ""وہ محبوب خدااور اس سے محبت کرنے والے ہوں گے"۔[۴]

اس آیت میں خداوندفرماتا ہے"اے ایمان والوتم میں سے جوبھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خداایک ایسی قوم کولے آئے گا جواس کی محبوب اوراس سے محبت کرنے والی،مومنین کے سامنے خاکسار اور کفار کے سامنے سخت پیکار،راہ خدا میں جہاد کرنے والی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے پرواہوگی یہ فضل خدا کا ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اورصاحب وسعت وعلیم اوردانا بھی ہے۔"

اگرچہ روایات میں اس آیت کا مصداق حضرت علیؑ کو بیان کیا گیا ہے لیکن شان نزول کسی حکم کو مقیدومحدود کرنے کا موجب نہیں بن سکتے۔ یہ آیت جہاں عمومی طور پر مومنین کو محبت خدا کی طرف ترغیب دلاتی ہے، وہیں مومنین کوایک اسوہ اورنمونہ عمل کی بھی نشان دہی کرتی ہے۔حضرت علیؑ کی ذات گرامی جواپنے مقام پرایک قوم کی حیثیت رکھتی ہے اور جس نے"خیبر" میں زبان رسول خداؐ

سے محبّ ومحبوب ہونے کی سند حاصل کی ہے جس کا کردار یہ رہا ہے کہ صاحبان ایمان کے سامنے انتہائی خاکسار اور کفار کے مقابلہ میں شیر پروردگار رہے ۔یہی اس قابل ہیں کہ انہیں مظہر محبت الٰہی سمجھتے ہوئے اپنا ولی اور سرپرست بنایا جائے ۔اس آیہ مجیدہ میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ خدا نے پہلے ''**یحبهم الله** ''فرما کر بتایا ہے کہ آغاز محبت اللہ کی طرف سے ہے۔ یہی الٰہی محبت، انسان کو مجذوب کرتی ہے تو ایک موحد شخص خدا سے محبت و عشق کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ'' مظہر رحمانیت'' بن جاتا ہے ۔اللہ کے بندوں سے محبت انہیں رات کو بھی سونے نہیں دیتی کبھی اپنے دوش مبارک پر کھانا اٹھا کر لوگوں کے گھروں میں پہنچاتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی اپنے کم سن بچوں سمیت غریبوں مسکینوں کو ایسے خلوص بھرے انداز میں اطعام کرتے ہیں کہ قرآن بھی تعریف کرتا ہے۔''**وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَّيَتِيْماً وَّاَسِيْرًo اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ** ''۵

﴿یہ اس اللہ کی ''محبت'' میں مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں) محبت کی وجہ سے انسان دین و اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے ﴾ جبکہ ''محبت'' سے خالی شخص کو اللہ نے بے دین کہا ہے ''**اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ** ''۶

﴿اس لیے کہ یہ یتیموں کی پرواتک نہیں کرتے ﴾۔

۲۔امن و سکون:۔

انسان کے افعال واعمال کا دارومدار اُس کے باطنی محرکات پر ہوتا ہے ۔اس کی روحانی کیفیت جتنی بہتر ہوگی اتنا ہی موثر انداز میں اپنے افعال انجام دے گا ۔چند چیزیں جو روح انسان کے لیے ضروری ہیں ان میں خواہش (طلب) ،امید،اور اطمینان وسکون ہے یہ مثلث ایسی چھتری ہے جس کے سہارے انسان اپنے مقاصد عالیہ اور منزل مقصود کی طرف پرواز کرتا ہے اور ان تینوں کا مبداو منبع یا دخدا ہے یا دخدا کی وجہ سے انسان خواہش بھی رکھتا ہے، اسے امید بھی ہوتی ہے اور اطمینان و سکون بھی، جب تک روحانی سکون نہ ہو انسان کوئی کام انجام نہیں دے سکتا بلکہ ماہرین نفسیات کے مطابق اکثر بیماریوں کی جڑ عدم سکون ہے، سکون کی اہمیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر قسم کی ترقی کا انحصار روحانی سکون پر ہے یہ سکون اور روحانی اطمینان صرف توحید پر ایمان کے سائے میں ہی ممکن ہے۔

خداوند کریم فرماتا ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِاللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ''۷

﴿یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دلوں کو یاد خدا سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آگاہ ہوجاؤ کہ اطمنیان یادخدا سے ہی حاصل ہوتا ہے۔﴾

مفسرین کی نظر میں ''وتطمئن قلوبھم'' عطف تفسیری ہے ''الذین امنوا'' پر یعنی ایمان توحید کا لازمہ ''اطمینان قلب'' ہے اضطراب و پریشانی کا سب سے بڑا سبب مستقبل کا تاریک ہونا ہے یہ بات انسان کی فکر کو ہمیشہ مشغول رکھتی ہے کہ میرا مستقبل کیا ہوگا؟ میری اولاد کا مستقبل کیا ہوگا؟ یہی فکر انسان کو ذہنی مریض بنا کر زمین گیر کر دیتی ہے جب کہ مومن اپنے مستقبل سے نہ فقط مایوس نہیں بلکہ روشن مستقبل پر دل کی گہرائیوں سے پختہ یقین رکھتا ہے اس لیے کہ اس کے رب نے اسے یقین دلایا ہے کہ ''اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوَارِثُوْنَ o الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ''۸

﴿مومن کا مستقبل یہ ہے کہ جنت الفردوس کی وراثت اس کے نام ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا﴾۔

نیز خدا نے اپنے خاص بندوں کو اطمینان وسکون کی سند عطا کر دی ہے۔

''اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ''۹

﴿آگاہ ہوجاؤ اولیا خدا پر نہ خوف طاری ہوتا ہے نہ وہ محزون ورنجیدہ ہوتے ہیں﴾۔

''لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ'' ۱۰

﴿ان کے لیے زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر بشارت اور خوش خبری ہے﴾۔

مومن جب ایمان کے سائے میں جہاد کرتا ہے اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھاتا ہے تو خدا اسے ''اطمینان'' جیسی عظیم نعمت سے سرفراز کر دیتا ہے۔ اہل بدر کے مجاہدین کا تذکرہ کرتے ہوئے خداوند فرماتا ہے 'یقیناً اگر تم صبر کرو گے (ثابت قدم رہو گے) اور تقوٰی اختیار کرو گے تو خدا پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جن پر بہادری کے نشان لگے ہوں گے اور اس امداد کو خدا نے صرف تمہارے لیے بشارت اور ''اطمینان قلب'' کا سامان قرار دیا ہے۔[۱۱] اطمینان وسکون' ایمان سے بھی اوپر کا درجہ ہے۔ جسے حضرت ابراہیم ؑ نے طلب فرمایا۔ ابراہیمؑ نے التجا کی کہ پروردگار مجھے یہ دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے ارشاد ہو

اکیا تمہارا ایمان نہیں ہے؟ عرض کی ایمان تو ہے لیکن اطمینان چاہتا ہوں

''وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ''۱۲۔

انسانی معاشرہ میں امن وامان کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ حاکم طبقہ بعض دفعہ عوام کا اعتماد حاصل کرنے کی غرض سے اسی 'امن وامنیت' کا سہارا لیتا ہے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ ہر ذی روح کی اولین ضرورت اور انسانی زندگی کا اہم ترین تقاضا ہے یہ بات مسلم ہے کہ نامنی کا حل توحید کے بغیر ممکن نہیں۔خداوند فرماتا ہے

''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ''۱۳؎

﴿جولوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا انہیں کے لیے امن وسکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں''۔﴾

قرآن کی نگاہ میں تنہا ایمان کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ اس کا ایمان ظلم سے آلودہ نہ ہو اگرچہ یہاں ظلم کی تعبیر میں عمومیت پائی جاتی ہے لیکن چونکہ ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ''۱۴؎

﴿شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔﴾

لہذا ایسی توحید خالص جو شرک اور دیگر مظالم سے پاک ہوگی انسان کے امن وسکون کا ذریعہ ہے۔

علامہ طباطبائی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں امن و ہدایت اس ایمان کے آثار ہیں جو مشروط ہے عدم ظلم کے ساتھ یعنی یہ ظلم اصل ایمان کو باطل کرنے کا باعث نہ بنے۔سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ظلم کی ایک خاص قسم مراد ہے۔ایسا ظلم جو ایمان پر اثر انداز نہ ہو۔اگر انسان کا ایمان شرک اور معصیت جیسے ظلم سے پاک ہوگا تو اسے امن وہدایت نصیب ہوگی علاوہ ازیں 'امن' و'ہدایت' میں بھی عمومیت پائی جاتی ہے یعنی ہر قسم کے گناہوں کے عذاب سے محفوظ و مامون رہتے ہوئے ہدایت یافتہ افراد میں شامل ہو جائے گا۔۱۵؎

اسلام ایسا دین ہے جو انسان کے لیے ہر طرح کے امن وامان کا ضامن ہے خدا نے مکہ مکرمہ کو خانہ کعبہ کے وجود مبارک کی وجہ سے انسانوں کے لیے 'امن اور پناہ گاہ' قرار دیا۔یعنی مکہ مکرمہ آرامش روح کا مرکز اور اجتماعی امن کا گہوارہ ہے۔حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پروردگار سے امن وسکون اور روزی کی فراوانی کے لیے دعا فرمائی جس سے امن وامنیت اور اقتصادی ترقی کے درمیان گہرے تعلق کو سمجھا جا سکتا ہے۔۱۶؎ آج بھی بین الاقوامی

تاجر کسی ملک میں اس وقت تک سرمایہ گزاری نہیں کرتے جب تک وہ ملک انہیں 'امن وسلامتی' کی ضمانت نہ دے قرآن مجید نے امن واطمینان اور روزی کی کثرت کو ایک ترتیب سے بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امن واطمینا ن کے بعد اقتصادی ترقی کے امکانات فراہم ہو تے ہیں ۔البتہ یہ تینوں مادی نعمات اس وقت کامل ہوں گی جب توحید پر ایمان جیسی معنوی نعمت سے بہرہ مند ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تین نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا'

ولقد جا ئھم رسول منھم '

﴿یعنی رسول کو بھیجا گیا﴾

تا کہ انہیں توحید کی نعمت سے سرفراز کرے ۔۱۷ کیونکہ یہ تمام مادی نعمات اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہیں اگر خدا نہ چاہے تو پہاڑوں کو چیر کر محفوظ قسم کے مکانات بنانے کے باوجود منکرین توحید عذاب سے امن حاصل نہیں کر سکتے ۔۱۸ آقائے قرائتی فرماتے ہیں 'حرم الٰہی' امن و سلامتی کا گھر ہے اور 'امن واطمینان' عبادات الٰہی کے لیے بہترین بچھونا ہوتا ہے لیکن بعض باطل پر ایمان رکھنے والے لوگ اس سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے ۔ ۱۹ پس توحید پر ایمان ایسی نعمت ہے جو انسان اور معاشرہ کو امن واطمینان عطا کرتی ہے ۔جن کی ایک واضح مثال حضرت یوسف صدیقؑ کا مصر جیسے ملک کو امن وامنیت میں بدل دینا ہے حضرت یوسفؑ نے اپنے برادران اور والدین سے فرمایا کہ آپ لوگ مصر میں بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ داخل ہوں

''وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۲۰''

۳۔مشکلات میں صبر و استقامت

قرآن مجید میں مومن کی ایک نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مشکلات میں صبر کرنے والے ہیں پھر صبر کے نتیجہ میں خدا انہیں ہر قسم کے خوف و ہراس اور غم والم سے محفوظ کر دیتا ہے

''اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ''۲۱

اس قسم کی آیات صبر واستقامت کو ایمان کا لازمہ قرار دیتی ہیں۔ حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں ''صبر و ایمان کا رابطہ سر و بدن جیسا ہے۔ جو صبر نہیں رکھتا وہ ایمان سے بھی خالی ہے۔''۲۲ یعنی جس طرح بغیر سر کے بدن نابود ہو جاتا ہے۔اس طرح بغیر صبر کے ایماں ختم ہو جاتا

ہے۔مشکلات کا مقابلہ کرنا توحید کے علمبردار شخص کا خاصہ ہے استقامت کا مقصد توحید کے تقاضوں پرعمل کرنا ہے چاہے وہ اظہار کا حکم دیں یا سکوت کا، جہاد کا حکم دیں یا صلح کا، اگر توحید کے تقاضے انسانی زندگی کی بنیاد بن جائیں تو پھر کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔خداوند فرماتا ہے اگر انسان نظام توحید کو قبول کرنے کے نتیجہ میں پیش آمدہ مشکلات ومصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرے تو میں فرشتوں کے ذریعے بھی مدد کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔

''اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْ رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ''[۲۳]

﴿بے شک جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا رب (مدبر ومدبر) ہے اور اس پر ڈٹے رہے ان پر ملائکہ پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں﴾

کہ ڈرو نہیں اور رنجیدہ بھی نہ ہوں اور اس جنت سے مسرور ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ہم زندگی دنیا میں بھی تمہارے ساتھی تھے اور اخرت میں بھی تمہارے ساتھی ہیں۔اس آیہ کریمہ میں صبر کرنے والوں کو روشن مستقبل کی نوید سنائی جا رہی ہے جو انسان کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ یہ سب نعمات ''توحید ربوبیت'' پر ایمان کی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں۔وہ مومن جو تمام حرکات وافعال کا مبدائے حقیقی اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو پھر ایسے رب سے محبت بھی کرتا ہو تو لازمی امر ہے کہ اپنی ہر مصیبت کو اپنے محبوب کی طرف سے فضل وسعادت سمجھتے ہوئے برادشت کرے گا۔کیونکہ خدائے رحمان ورحیم بندے کے لیے سوائے خیر و خوبی ااور سعادت وخوش بختی کے کچھ نہیں چاہتا ۔جب انسان مصائب ومشکلات کے دوران صبر سے کام لیتا ہے تو صلواۃ اور رحمت الہیہ کا حقدار بن جاتا ہے خداوند فرماتا ہے

''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۔اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِهِمْ وَرَحْمَةٌ''[۲۴]

﴿اے رسول خداؐ آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں جو مصیبت پڑنے کے بعد کہتے ہیں﴾۔

کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں کہ ان کے لیے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں) ۔پس توحید پر ایمان انسان کو صبر واستقامت کا درس دیتا ہے جسے مومن اپنی زندگی میں عملی جامعہ پہناتا ہے۔

٤۔حسن عاقبت :۔

انسان کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ 'روشن مستقبل' کا خواہاں ہے اس کی ہر ممکنہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کا انجام بخیر ہو۔قرآن مجید نے چند آیات میں ارتداد (اسلام سے کفر کی طرف پلٹ جانے) کو بیان کیا ہے فقہ اسلامی میں بھی ارتداد کی بحث موجود ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ شیطان ہر لمحہ کوشش میں رہتا ہے کہ مومن کو گمراہی کی وادی میں ڈال دے لیکن جن کا ایمان پختہ ہوتا ہے وہ شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ارتداد کے شدید خطرہ کے پیش نظر 'راسخون فی العلم' بھی ایمان وعقیدہ پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں۔'

'رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَ یْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُ نْكَ رَحْمَةً ''۲۵

﴿اے پرودگار! جب تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے تو اب ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا ہونے پائے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما﴾

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومن ہمیشہ اللہ' کی رحمت کا طلب گار رہتا ہے۔کیونکہ ایمان لانے سے زیادہ مہم اس ایمان پر قائم رہنا ہے اور اگر خدا کی مدد شامل حال نہ ہو لغزش کا خطرہ موجود ہے۔حسن عاقبت کی اہمیت کا اندازہ حضرت ابراہیمؑ وحضرت یعقوبؑ کی اس وصیت سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی اولاد کو آخری وقت میں بیان فرمائی۔(اور اس بات کی ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اللہ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کیا ہے اب مرتے دم تک اس کے سامنے سر تسلیم خم رہیے گا' اسی دین پر باقی رہیے گا) اس آیہ کریمہ سے یہ نکتہ بھی استفادہ ہوتا ہے کہ عقیدہ و ایمان کتنا قیمتی سرمایہ ہے۔کہ اس مسئلہ میں بھی اپنی اولاد کے متعلق فکرومند رہنا چاہیے اور اپنی وصیت میں فقط مادی امور پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔۲۶تاریخ میں ایسے افراد کا ذکر ہے جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہوگئے ان مرتدین میں واضح مثال مساجد اربعہ ملعونہ کی ایک مسجد کے بانی ''شَبَث بن رِبعی'' کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ کے زمانہ میں مسلمان ہوا، حضرتؐ کے بعد مرتد ہوگیا اور سجاح (نبوت کا دعوی کرنے والی عورت) کا موذن رہا پھر توبہ کر لی اور حضرت علیؑ کے ساتھ شامل رہا جنگ صفین میں مرتد ہوکر خوارج کے لشکر کا سپہ سالار بنا اور جنگ نہروان علیؑ کے خلاف لڑی پھر توبہ کرلی اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کے ساتھیوں میں شامل ہوگیا یہاں تک کہ امام حسینؑ کو

کوفہ آنے کی دعوت دینے والوں میں شریک تھا لیکن پھر حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ بے وفائی کی اور کربلا میں لشکر یزیدؑ میں شامل ہوکر قتل حسینؑ کے گناہ کا مرتکب ہوا پھر امام حسینؑ کے قتل کے شکرانہ میں کوفہ میں مسجد تعمیر کروائی پھر خون حسینؑ کا قصاص لینے کی غرض سے امیر مختار ثقفی کی فوج میں شامل ہو آخر کار اسی مختار ثقفی کو قتل کرنے والوں کے ساتھ ملحق ہوگیا!!! ۲۷ خداوند متعال نے اہل ایمان کو حسن عاقبت (خاتمہ بالخیر) کی تنبیہ کی ہے اور اس کا نسخہ بھی بتایا ہے۔

''یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُواتَّقُو اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسلِمُوْنَ'' ۲۸۔

﴿اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور خبردار مرتے دم تک مسلمان رہنا﴾

اس آیہ مجیدہ میں خداوند کریم نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ ایمان لانا کافی نہیں ہے بلکہ ایمان پر باقی رہنا ضروری ہے وہیں ایمان پر باقی رہنے کا بہترین ذریعہ ''تقوائے الٰہی'' کو قرار دیا ہے یعنی توحید عملی بہترین وسیلہ ہے خاتمہ بالخیر کا کیونکہ خوف خدا اور ہر عمل میں اللہ کی مدد کا طلب گار رہنا ایسا مضبوط سہارا ہے جس کے ٹوٹنے کا خطرہ نہیں)۲۹ رسول خداؐ کی معروف دعا ہے جو ہمیشہ پڑھا کرتے تھے

'الٰھی لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عین ابداً'

(اے میرے معبود پلک چھپکنے کی مدت تک بھی مجھے میرے حال پر نہ چھوڑنا)

البتہ خدا نے وعدہ کیا کہ جو پختہ ایمان کا مالک ہو گا۔ اسے دنیا و آخرت میں اپنی غیبی مدد کے ذریعے اس عقیدہ پر ثابت رکھے گا۔

۵۔ شرح صدر (وسعت قلبی)

سینہ کشادگی، وسعت قلبی یا اعلیٰ ظرفی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے یہ صرف اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو توحید کے سائے میں زندگی گزارنے کا عزم وارادہ رکھتا ہو اس صفت کے مقابلے میں تنگ دلی تعصب اور پست ذہنیت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے علاوہ کسی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ درحقیقت ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ جس کی بنا پر وہ صرف اپنی بات کو حق سمجھتا ہے کسی کی بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوتا۔ توحید پرست شخص صرف خدا ہی کو ہدایت کا سرچشمہ سمجھتا ہے لہذا سینہ کشادگی اور فراخ دلی کو بھی اسی مبداء حقیقی سے طلب کرتا ہے

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرلِیْ

آمْرِیْ ۔۔۔۔۔" ۳۰؎

حضرت موسیٰؑ کو اتنی بڑی ذمہ داری سونپی گئی کہ فرعون جیسے طاغوت کو دعوت توحید دیں تو اس رسول الٰہی نے اپنے خالق و مالک سے شرح صدر اور سینہ کشادگی کی مدد طلب کی (اے میرے پروردگار میرے سینے کو کشادہ کر دے، میرے کام کو آسان کر دے) ایک مقام پر خداوند فرماتا ہے کہ میں جسے ہدایت پر گامزن رکھنا چاہتا ہوں اُسے کشادہ دل بنا دیتا ہوں۔

'فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِ سْلَامِ .. ۳۱

﴿پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار گزار بنا دیتا ہے کہ جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو۔﴾

حضرت رسولخداؐ سے پوچھا گیا شرح صدر (سینہ کشادگی) کیا ہے؟ فرمایا

'نور یقذف الله فی قلب من یشاء فیشرح له صدره وینفسخ '

ایک نور ہے خدا جس شخص کے دل میں چاہتا ہے اسے روشن کر دیتا ہے جس کے باعث اس کی روح کشادہ اور فراخ ہو جاتی ہے۔

پھر پوچھا گیا کہ اس کی کوئی نشانی و علامت ہے؟ فرمایا '**نعم الا نابة الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرورولا ستعداد للموت قبل نزول الموت** '

ہاں اس کی علامت یہ ہے کہ جہان ابدی کی طرف توجہ، دنیا کے فریب سے دور رہنا اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے آمادہ رہنا۔۳۲؎ توحید پر ایمان ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ بے جا تعصب اور خود پسندی کی بنا پر کسی کی تردید نہ کریں ۔دوسرں کے خیالات ونظریات نیز ان کی زحمات کا بھی احترام کریں۔فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرں کی آراء ونظریات کو سنیں اور بے دلیل رد نہ کریں۔اگر ان صفات کو عملی کر دیا جائے تو پھر ایک تنظیم دوسری تنظیم کی معاون ایک ادارہ دیگر ادارہ جات کا حامی و مدگار اور ایک کارکن دوسرے کارکنان (علماء وغیر) کا بہترین سہارا بن جائے گا۔جس کے نتیجہ میں مکتب توحید کی پورے عالم پر سرفرازی کا خواب جلد شرمندہ تعبیر ہوگا ۔ماثورہ دعاؤں میں سے ایک بہترین دعا یہ ہے

"**اللهم ا رزقنی التجافی عن دار الغرور والانابة**

الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل حلول الفوت ''اس دعا کے طفیل اللہ پاک سے وسعت اخلاق اور برادران دینی کے درمیان خاطر داری کے ساتھ پیش آنے کی امید رکھنی چاہیے خداوند کریم فرماتا ہے (کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہوا اور جسے اپنے رب کی طرف سے روشنی ملی ہو (سخت دل والوں کی طرح ہوسکتا ہے؟) پس افسوس ہے ان لوگوں کے حال پر جن کے دل ذکر خدا کے لیے سخت ہو جاتے ہیں یہ لوگ کھلم کھلا گمراہی میں ہیں) ۳۳ اس آیہ کریمہ کی رو سے تنگ نظر اور یکطرفہ سوچنے والا انسان حق وباطل میں تمیز دینے والے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں'' اے میرے فرزند! تو اگر صاحب حکمت وعرفان نہ بن سکے تو مقامات عارفین و صالحین کا انکار نہ کرنا ان کی مخالفت کو دینی فریضہ نہ سمجھنا''۔

چہل حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ'' قلب مومن مفتوح (کشاد) ہے کیونکہ خالص و پاکیزہ فطرت سے خارج نہیں ہوا لہذا جیسے ہی حقائق ایمان اور معارف حقہ کو اس کے سامنے پیش کیا جائے تو فوراً قبول کر لیتا ہے جب کہ قلب منافق، جاہلانہ تعصّبات، تنگ نظری، حب نفس۔مقام وشہرت سے محبت جیسے اخلاقِ رذیلہ کی بنا پر فطرت انسانی سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے ایسی صورت میں حق بات کو ہرگز قبول نہیں کرتا اس کے دل کی مثال اس کاغذ جیسی ہے جو مکمل طور پر سیاہ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کا نیا نقش قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔نیز فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا کی محبت اور اس کی تعمیر وترقی میں مشغول ہو جائے اس کا دل حق سے منحرف ہو جائے گا اگرچہ مبداء ومعاد پر اعتقاد ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔۳۴ پس معلوم ہوا کہ توحید پر عقیدہ کو جب تک عملی نہ کیا جائے دل کی پاکیزگی اور وسعت حاصل نہیں ہوسکتی۔

٦۔ دھوکا اور فریب سے اجتناب

ہر شخص، دھوکا باز اور مکار قسم کے لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔مکر، حیلہ، دھوکا اور فریب کو پسند نہیں کرتا اس کے باوجود کہ سب لوگ یہ برداشت نہیں کرتے کہ کوئی انہیں دھوکا دے لیکن کچھ لوگ دوسروں کو دھوکا دینے اور مکارانہ چالوں سے اپنے مفادات حاصل کرنے سے باز نہیں آتے مومن شخص کیونکہ خدا کو تمام امور میں 'مسبب الاسباب' سمجھتا ہے اور خدا ہی پر توکل کرتا ہے اسی بنا پر اپنی دنیاوی زندگی کو سنوارنے کی خاطر مکر اور فریب

وغیرہ سے کام نہیں لیتا۔ مومنین کے مزاج کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔ (' کہہ دیجئے' کہ ہم تک وہی حالات آتے ہیں جو خدا نے ہمارے حق میں لکھ دیئے ہیں وہی ہمارا مولا ہے اور صاحبان ایمان اُسی پر توکل اور اعتماد رکھتے ہیں) ۳۵

توحید پر ایمان کی وجہ سے مومن مقام تسلیم و رضا پر فائز ہوتا ہے لہذا اپنی کامیابی کو صرف خدا سے چاہتا ہے اور شیطانی حربوں سے پرہیز کرتا ہے جب کہ غیر مومن حیلہ و مکر کا سہارا لیکر اپنے مفادات کو حاصل کرنا چاہتا ہے آیات قرآن گواہی دیتی ہیں کہ انبیا کرام علیھم السلام کے مخالفین نے حق کے مقابلہ کے لیے ہر قسم کا دھوکا، فریب، حیلہ اور مکر استعمال کیا فرعون نے عوام کو فریب دینے کے لیے جادوگروں کا سہارا لیا لیکن وہی جادوگر جب حق کا واضح انداز میں مشاہدہ کرتے ہیں تو فرعون کی چال میں نہیں آتے اللہ وحدہ لا شریک کی گواہی دیتے ہوئے اس طاغوت کی مخالفت کرتے ہیں۔ جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد فرعون انہیں ملامت کرتے ہوئے دھوکا باز کہنے لگتا ہے لیکن حضرت موسیٰ اہل توحید کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْ ااِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ '' ۳۶

﴿اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین کا مالک اللہ ہے وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے وارث بناتا ہے﴾

حضرت صالحؑ نے جب اپنی قوم کو صرف اللہ کو معبود ماننے کی دعوت دی تو ان لوگوں نے بھی اللہ کے اس نمائندے کے خلاف چال چلی پہلے تو حضرت صالحؑ کو فریب دے کر قتل کرنے کی سازش اور بعد میں ناقہ صالح کو قتل کر کے عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائے۔ خدا فرماتا ہے۔ ''پھر انہوں نے اپنی چال چلی اور ہم نے بھی اپنا انتظام کیا کہ انہیں خبر بھی نہ ہو سکی پھر آپ دیکھو کہ ان کی مکاری کا انجام کیا ہوا کہ ہم نے ان رؤساء کو ان کی قوم سمیت بالکل تباہ و برباد کر دیا'' ۳۷ حضرت نوحؑ کے مخالفین کے متعلق بھی قرآن کہتا ہے

'وَمَكَرُوْا مَكْراً كُبَّارًا'

﴿اور انہوں نے بہت بڑا مکر کیا﴾ ۳۸

لیکن دوسروں کو دھوکا دینے والے بری طرح غرق ہو کر خود اپنے فریب کا شکار ہو گئے۔ خداوند متعال ایک عمومی قاعدہ بتاتا ہے کہ جو بھی دھوکا اور فریب کا سہارا لے گا اس کی مکاری کا اثر اسی کے خلاف ہوگا

(اس طرح ہم نے قریہ میں بڑے بڑے مجرموں کو موقع دیا ہے کہ وہ مکاری کریں اوران کی مکاری کا اثر خودان کے علاوہ کسی پرنہیں ہوتا لیکن انہیں اس کا بھی شعورنہیں)۳۹ مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہو تا ہے کہ ہمیشہ حیلہ ومکر توحید کے دشمنوں کا نجس ہتھیار رہا ہے ایک موحد اور قرآن کے سائے میں زندگی بسر کرنے والے شخص کے لیے ناممکن ہے کہ وہ دھوکا باز بنے بلکہ وہ خود کو حق پر سمجھتے ہوئے صرف حق پر بھروسہ کرے گا۔

۷۔ایثار وقربانی ۔

''ایثار'' اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کا نام ہے شریعت مقدس میں ایثار وقربانی کرنے کی بڑی تاکید ہے اوراس نیک عمل کا بہت بڑا اجر بیان ہوا ہے اس کے مد مقابل صفت'' حرص'' ہے دنیا میں ادنی مظالم سے لے کر استعمار اور دیگر ممالک پر تسلط جمانے تک سارے نظام کی بنیاد یہی حرص ہے۔اسلام نے ایک دستور دیا ہے کہ اگر انسان حرص سے بچ گیا تو وہ ہر مصیبت و بلا سے محفوظ ہو گیا کیونکہ حریص شخص دولت واقتدار کے نشے میں مست ہو کر تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے جب کہ ایثار وفداکاری کرنے والا فیاض وسخی شخص زندگی کی تمام لذتوں سے بہرہ مند ہونے میں کامیاب ہوجاتا ہے ۔جب انسان خدا کی معرفت حاصل کرلیتا ہے تو اس کی رضاوخوشنودی کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ ہر طرح کا مال وجان خدائے واحد کی جانب سے عطیہ ہے جو انسان کو امانت کے طور پر جائز تصرفات کے لیے دیا گیا ہے شہدائے اسلام کی عظیم قربانیوں سے تاریخ پر ہے قرآن مجید اہل مدینہ کے ایثار کی مثال پیش کرتا ہے۔

(وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ انہیں (مہاجرین کو)دے دیا گیا اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی الجھن نہیں پاتے اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اور جسے نفس کی حرص سے بچالیا جائے وہی لوگ کامیاب ہیں)۴۰

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں ایثار، ایمان کے عالی ترین مرتبہ کا نام ہے۔۴۱

عاشق توحید اپنے ایمان کو عالی درجے تک پہنچانے کی خاطر ایثار کرنے میں کبھی پس وپیش نہیں کرے گا۔

۸طاغوت کا مقابلہ :۔

مبدا حقیقی پر ایمان انسان کو طاغوت اور سرکش طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ آمادہ وتیار

رہنے کا درس دیتا ہے۔اسلیے کہ اس کا ایمان ہے کہ ہر قسم کی طاقت وقوت کا سر چشمہ خدائے واحد ہے **''اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعاً''**

﴿ساری قوت صرف اللہ کے لیے ہے﴾۴۲

نیز یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی کے پاس کوئی طاقت نہیں

'لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔۴۳

ایسی صورت میں خدائے قوئی وعزیر کے مقابلے میں اپنی قوت وطاقت کا اظہار کرنے والے ہر شخص کو طاغوت سمجھے گا اور اس کا انکار کرنے کو جزو ایمان سمجھتے ہوئے اس طاغوت کا مقابلہ کرنے کی خاطر خود کو ایک مضبوط سہارے سے متمسک کرے گا۔

قرآن کہتا ہے:

'فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ يُؤْمِنْ بِااللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۴۴

یقیناً اس نے نہ ٹوٹنے والا مضبوط سہارا تھام لیا یہی ایمان ویقین ایک مومن وموحد کو طاغوت شکن بنا دیتا ہے ۔اسلام نے جو جہاد کو واجب قرار دیا ہے یہ آزادی کو سلب کرنے کا باعث نہیں بلکہ ان لوگوں کے خلاف اعلان جنگ ہے جو انسانی آزادی کو سلب کرنے کے لیے غلط طاقت کا استعمال کرتے ہیں اسلام نے جہاد کو صرف تین مواقع پر جائز قرار دیا ہے(۱) بت پرستی کے خاتمہ کے لیے کیونکہ یہ انسانیت کی کھلی توہین ہے (۲) اسلام کے خلاف حملوں کو روکنے کے لیے (۳) تبلیغ مذہب کی مکمل آزادی حاصل کرنے کے لیے تا کہ واضح طور پر حق بیان ہو سکے قوم عاد کا تذکرہ کرتے ہوئے خداوند فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں ذلت آمیز عذاب اس لیے دیا کیونکہ وہ اپنا حق طاقت استعمال کر رہے تھے (پھر قوم عاد نے زمین میں ناحق بلندی و برتری اور تکبر سے کام لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے بڑھ کر طاقت ور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقت ور ہے اس طرح وہ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں تو ہم نے تیز وتند آندھی بھیج کر اسی دنیا میں عذاب کا مزہ چھکایا)۴۵ یہ سنت الہی ہے کہ جن لوگوں نے حق کا مقابلہ کیا انہیں ایک نہ ایک دن دنیا میں ذلت ور سوائی سے دو چار ہونا پڑے گا ۔فرعون وقارون سے لے کر شاہ ایران اور کارٹر تک اس کی زندہ مثال ہیں ۔قرآن مجید میں کتنی آیات ہیں جو مومن کو طاغوت کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دلاتی ہیں ۔(کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو

یہ کرتے ہیں کہ آپ پرنازل شدہ (قرآن) پر ایمان لے آئے ہیں جب کہ اپنے فیصلوں کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔حالانکہ انہین طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا ۔۔۔۔۴۶ایک مقام پرفرمایا: ایمان والے ہمیشہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں جبکہ کافر ہمیشہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں لہذا تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو بیشک شیطان کا مکر بہت کمزور ہے۔۔)۴۷ایک آیہ مجیدہ تو خداوندمتعال کے دائمی دستور کواس طرح بیان کرتی ہے ۔(اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک نمائندہ بھیجا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔۔)۴۸اس آیہ کریمہ کہ رو سے سب سے زیادہ عبادت گزار وہی ہوگا جو طاغوت کا بڑا دشمن ہو گا نیز ایک آیۃ میں خدا نے طاغوت شکن مجاہدین کو بشارت وخوشخبری سنائی ۔ہے ۔(جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور ایک اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے ان کے لیے ہماری طرف سے بشارت ہے پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجے ۔۔)۴۹ان آیات کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جو طاغوت دشمنی کو مومن کا فریضہ قرار دیتی ہیں لہذا جو موحد ہوگا وہ قرآنی اصولوں کے مطابق اپنے اس عقیدہ کو عملی جامہ پہنانے میں فخر محسوس کرے گا نیز وہ طاغوت کا مقابلہ کرنے سے کبھی نہیں گھبرائے گا۔

حوالہ جات

	بقرہ آیت 156	25	آل عمران آیت 8
	اصول کافي ج2 ص253	26	تفسیر نور ج1 ص 208
	بحارالانوار ج70 ص24	27	قاموس الرجال ج5 ص388
	مائدہ آیت 54	28	آل عمران آیت 102
	دھر آیت 8,9	29	بقرہ آیت 256
	ماعون آیت 1,2	30	طٰہٰ آیت 25
	رعد آیت28	31	انعام آیت 125
	مومنون آیت10,11	32	تفسیر نمونہ ج5 ص436
	یونس آیت62	33	زمر آیت 22
10	یونس آیت64	34	چھل حدیث ص447
11	آل عمران آیت 125,126	35	توبہ آیت 51
12	بقرہ آیت 260	36	اعراف آیت123,128
13	انعام آیت 82	37	نمل آیت50,51
14	لقمان آیت13	38	نوح آیت22
15	تفسیر المیزن ج7 ص200	39	انعام آیت123
16	بقرہ آیت 126	40	حشر آیت9
17	تفسیر نمونہ ج11ص 235	41	میزان الحکمہ ج1 ص2
18	حجر آیت82	42	بقرہ آیت 165
19	تفسیر نور ج 12ص192	43	کھف آیت39
20	یوسف آیت 99	44	بقرہ آیت256
21	احقاف آیت 13	45	حم فصلت آیت15,16
22	اصول کافي ج3 ص142	46	نساء آیت60
23	فصلت آیت30	47	نساء آیت76
24	بقرہ آیت155,157	48	نحل آیت36
		49	زمر 17

امامت وخلافت علم کلام کا ایک اھم باب

حجۃ الاسلام محمد اصغر عسکری

بہت سے افراد جو اعتقادی مسائل میں باریک بینی اور گہرائی سے کام نہیں لیتے، وہ خیال کرتے ہیں کہ شیعہ اور سنی کے درمیان امامت کے بارے میں صرف یہ اختلاف ہے کہ شیعہ معتقد ہیں کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ایسا نہیں بلکہ لوگوں نے اپنی مرضی سے اپنے لیے خلیفہ کا انتخاب کیا ہے۔ لیکن اگر مسئلہ امامت کو گہرائی سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بحث اور اختلاف کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ خلیفہ کون بنا اور کس کو ہونا چاہیے تھا بلکہ بحث یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ آیا امامت ایک دینی مقام ومنصب ہے یا یک دینوی سلطنت ہے اور اجتماعی عوامل کے تابع ہے؟ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ خود رسول خداؐ بھی اپنے خلیفہ کے انتخاب میں مستقل نہیں ہیں اس سلسلے میں بلکہ امر خدا کے تابع ہیں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوت کی حکمت اور فلسفہ ختم نبوت کا نصب امام کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے ۔اسی لیے شیعہ کے ہاں امامت کو ایک اعتقادی مسئلہ کے طور پر قبول کیا گیا ہے اور اصول دین میں شمار کیا گیا ہے نہ کہ ایک فقہی حکم سمجھا ہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ شیعہ نے امام میں عصمت ،علم لدنی اور خدا کے انتخاب کو کیوں لازم قرار دیا ہے۔ شیعہ کے نزدیک جتنی اہمیت مسئلہ امامت کی ہے۔اتنی کسی دوسرے اسلامی فرقہ کے ہاں نہیں ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ اور دوسرے اسلامی مکاتب فکر کے نزدیک امامت کے مفہوم میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ شیعہ کے ہاں امامت کو ایک اساسی اور بنیادی مسئلہ جانا جاتا ہے لیکن اہل سنت کے نزدیک امامت ایک فرعی اور فقہی حکم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

امامت کا مفہوم

اسلامی اور قرآنی اصطلاح میں امام کو آئیڈیالوجی نظام اور سیاسی نظام کے محور ومرکز کے عنوان سے

جانا جاتا ہے اور امامت کو نبوت اور الٰہی خلافت کا استمرار سمجھا گیا ہے۔

نظام امامت میں اولویت (برتری) اور تقدم کا معیار وراثت اور قومی حزبی وابستگی نہیں ہے۔اور اسی طرح خلافت کے عالی مقام کو حاصل کرنے کے لیے رشتہ داری، نسلی برابری اور سیاسی وابستگی ملاک نہیں ہے بلکہ معیار اللہ کا منتخب شدہ اور امر خدا سے ہدایت یافتہ ہونا ملکوت الٰہی کا مشاہدہ اور انسانی کمال کا ممکنہ حد تک عروج اور بلندی ہے۔لہذا یہی وجہ ہے کہ خلفاءِ الٰہی اگر ایک لحظہ کے لیے بھی خطا اور لغزش سے دو چار ہو جائیں تو اس منصب سے محروم ہو جائیں گے اور **لاینال عهدی الظالمین** ۱؎ کے مصداق قرار پائیں گئے لہذا نظام امامت میں انتخاب کا معیار افرادی امور نہیں ہیں۔ معاہدوں سے امامت طے نہیں ہوتی بلکہ امامت میں معیار، معرفت خدا، تقوی اور پرہیز گاری اور معصوم عن الخطاء ہونا ہے۔لہذا جو ان معیارات پر پورا نہیں اترتا وہ خود بخود معزول ہے۔عزل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بلکہ ان معیارات پر پورا نہ اترنے والا اگر اپنے آپ کو اُمت کا امام کہلائے تو اسلام کی رو سے وہ طاغوت اور خدا کا دشمن ہے اور اسی عنوان سے اس سے سلوک اختیار کیا جائے۔اسی لیے قرآن مجید نے امام کی دو قسمیں کی ہیں۔۱:ایک امام نور ہے۔۲:دوسرا امام نار ہے۔جس طرح قرآن نے امام نور کی اطاعت کو واجب جانا ہے اور اس کی اطاعت کو خدا کی اطاعت قرار دیا ہے ویسے ہی قرآن نے امام نار کی مخالفت کو بھی لازم اور واجب قرار دیا ہے کیونکہ آئمہ نور خدا کی صفات کے مظہر ہیں اور آئمہ نار شیطانی اور دین مخالف اقدار کے پاسدار ہیں۔امام کے نور سے معاشرے میں علم، تقویٰ، اخلاق، عدالت، امن سلامتی، ایثار، آزادی، شرافت، اور انسانی کرامت جیسے مفہوم زندہ ہوتے ہیں جبکہ امام نار سے جہالت، تعصب، نسل پرستی، ظلم، فسق وفجور، غلامی اور ذلت و رسوائی حاکم ہوتی ہے۔ امامت کے اس مفہوم کو قرآن کی بہت سی آیات نے واضح کیا ہے۔نمونہ کے لیے چند آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

"وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ" ۲؎

﴿جب ابراہیم کے رب نے ابراہیم کو آزمایا اور

مختلف امتحانات اور آزمائشوں سے گزار ا اور حضرت ابراہیم ان تمام امتحانوں پر پورا اترے اور کامیاب ہوگئے تو خطاب ہوا کہ ہم نے آپ کولوگوں کا امام بنایا ہے حضرت ابراہیم نے جب امامت و رہبری کی بشارت سنی اور خدا کی رحمت ولطف کو دیکھا تو خدا کی بارگاہ میں التجا کی خدایا ''ومن ذریتی ''میری نسل میں بھی کسی کو یہ مقام مل سکتا ہے۔تو خطاب ہوا''**لاینال عھدی الظالمین** '' کہ یہ عہدہ اور منصب ایک مخصوص منصب ہے اور کبھی بھی ظالمین کو نہیں مل سکتا اس آیت کریمہ پر اگر غور کریں تو چند نتائج سامنے آتے ہیں ا:۔ امت کی امامت ورہبری خدائی منصب ہے۔اور ایسے انسانوں کے لیے ہے جو معنوی اور روحانی مراحل طے کر چکے ہوں اور مختلف آزما ئشوں اور امتحانات سے کامیابی کیساتھ گزر چکے ہوں۔

۲:۔ظالمین سے مراد صرف وہ نہیں کہ جو بالفعل گناہ و شرک کے مرتکب ہوئے ہوں کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل خداؑ کبھی ایسے لوگوں کے لیے امامت کی تمنا نہیں کر سکتے پس معلوم ہوا ظالمین سے مراد وہ افراد بھی ہیں جنکی زندگی کا ایک لمحہ بھی شرک میں گزار ہو لہذا یہ منصب امامت صرف ان کے لیے ہے جو ہر قسم کی خطاء ونسیان سے معصوم ہوں۔

۳:۔امامت اس کو مل سکتی ہے جو پہلے سے اس کی صلاحیت کو کسب کر چکا ہو نہ یہ کہ منصب کو دیکھ کر اپنے آپ کو اچھا بنانے کی کوشش کرے البتہ ہر تحقیق کرنے والے پر واضح ہے کہ خلافت امامت کی حقیقت سے جدا ہے چاہے لغوی معنیٰ دیکھیں یا شرعی معنیٰ ہاں یہ کہا جاسکتا کہ لفظ خلافت اس لیے استعمال ہوا ہے کہ خلافت صرف امامت ہی کے شایان شان ہے کیونکہ خلافت رسالت کے کام کو آگے بڑھانے اور رسول کے بعد ان امور کو سنبھالنے کا نام ہے اور وہ کام احکام الہیٰ کو بیان کرنا شریعت کی حفاظت کرنا اور معاشرتی زندگی کو منظّم کرنا ہے بحرحال خلافت امامت کی حیثیتوں میں سے ایک حیثیت ہے اور امامت کا وہ مفہوم جو قرآن مجید اور احادیث نبوی میں آیا ہے خلافت کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے۔پس امامت خدا کی طرف سے مقرر کی ہوئی عوام پر سربراہی ہے اور یہ حکومت کے ان عہدوں سے مختلف ہے جو زور اور طاقت کو بھی امام بننے کا معتبر ذریعہ تسلیم کرتے ہیں ۔اور کہتے ہیں کہ خلافت ایک فاسق اور ظالم شخص کی بھی ہوسکتی ہے اور امام فسق وفجور کی وجہ سے معزول کیے جانے کا مستحق نہیں ہوتا[۳]

امامت کی ضرورت (فلسفہ امامت)

امامت کو قرآن و احادیث آئمہ اطہار کی نظر میں دیکھنے سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ امام کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ختم نبوت کے بعد یہ سلسلہ امامت کیونکر ضروری ہے؟ اور دین جب مکمل ہو چکا تھا تو آئمہ کی ضرورت کیا تھی؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر صاحب فہم وفکر کے ذہن میں اٹھتے ہیں۔لیکن اگر ہم انبیاء کرامؑ کی بعثت اوران کی ضرورت کو سمجھ لیں تو امامت کی ضرورت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا کیوں کہ جن ادلہ کے تحت ہم انبیاء کی بعثت اور ضرورت کو ثابت کرتے ہیں ۔انہیں ادلہ سے آئمہؑ کی ضرورت بھی ثابت ہوتی ہے ۔اور ہم نبوت کی بحث میں ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی عقل اس کی ہدایت کے لیے ناکافی ہے بلکہ اس خطاؤں او رلغزشوں کے مجموعہ اورخواہشات نفسانی میں گھرے ہوئے انسان کو ایک الہی نمائندے کی ضرورت ہے جو اس کو جگہ جگہ صراط مستقیم کی نشان دہی کرتا رہے اور اپنے عمل سے اس راستے پر چل کے دکھائے انبیاء کی بعثت میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد تب ہی پورا ہوسکتا ہے جب خدا کی طرف سے وحی کے ذریعے اس انسان کی راہنمائی ہو ورنہ تخلیق انسان کا مقصد فوت ہو جائے گا۔اور خدا کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انبیاء کو بھیجے جو انسان کو دنیا وآخرت کی سعادتوں کا راستہ دکھائیں اور ان کی تربیت کریں اور اسی طرح اگر اجتماعی حالات اس بات کا تقاضا کر رہے ہوں کہ دین کے اجتماعی قوانین کا نفاذ کریں تو انبیاء اپنی اس ذمہ داری کو بھی پورا کریں اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ دین اسلام کے بعد کوئی اور دین نہیں آئے گا اور یہ احکام قیامت تک باقی رہیں گے اور چونکہ تمام احکامات کو قرآن کے ظہور سے نہیں سمجھا جا سکتا مثلاً تعداد رکعات نماز ۔نماز کی کیفیت اور کئی دوسرے واجبات اور مستحبات لہذا رسول پاکؐ کی ضرورت تھی جو ان احکام کو بیان کریں اور انکی تشریح کریں۔ان تمام نکات پر اگر غور کریں تو بڑی آسانی سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ دین مبین اسلام تب ایک مکمل دین اور تمام دنیا کے انسانوں کے لیے تمام مسائل کا جواب گو ہوسکتا ہے کہ جب کہ رسول خداؐ کے بعد ان کا جانشین ہو جو اُن کی ذمہ داری پوری کرے اور وہ جانشین ایسا ہو کہ جس کے پاس خدا دادی علم ہو، جو معصوم ہو یعنی ایسا جانشین ہو جو رسول خداؐ کے تربیتی کردار کی عملی تصویر ہو۔لہذا ختم نبوت تب

خدا کی حکمت کے مطابق ہوسکتی ہے جب رسول خداؐ کے بعد امام معصومؑ کو نصب کیا جائے اور وہ ایسا امام ہو جو رسول اللہؐ کی رسالت و نبوت کے علاوہ رسول کی تمام صفات و کمالات کا حامل ہو لہذا مسلم ہے کہ کسی صورت میں بھی اکیلا قرآن کافی نہیں ہے کیوں کہ اگر اکیلا قرآن کافی ہوتا تو آئین نامہ بغیر حاکم کے اور کتاب طبِ بغیر طبیب کے کافی ہوتی مگر دینا کا کوئی بھی سلیم العقل انسان اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اس لیے مولائے کائنات نے فرمایا

لا بد للناس من امیر براکان اِ وفاجرا

(لوگوں کے لیے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے)۔ خواہ وہ نیک ہو یا فاسق و فاجر ہو لہذا امام معصوم کی ضرورت اظہر من الشّمس ہے۔ اگر امامت کے حوالے سے کوئی ضروری بحث ہے تو وہ صفات امام کی بحث ہے اور یہ بحث کرنا چاہیے کہ امام کے انتخاب کا معیار کیا ہے۔ اور امام حق اور امام باطل کی شناخت کیسے ممکن ہے؟ دینی امور میں بھی امام کا وجود ضروری ہے اور دنیوی امور میں بھی دینی امور یعنی جو نبوت کے فرائض ہیں دعوت حق، تبلیغ، احکام شرعیہ کا بیان قرآن مجید کی آیات متشابہہ کی تفسیر وغیرہ یعنی وفات رسولخداؐ کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو ان کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالے ان کی زندگی کو ایام جاہلیت کی رسومات سے متاثر نہ ہونے دے اور وہ نفس کے بندے نہ بنیں اور وسواس اور شیطان کے فریب میں مبتلا نہ ہوں۔ لہذا ایک ایسے امام کی لازمی ضرورت تھی جو رسول خداؐ کا قائم مقام اور جانشین ہو جو اسلام کی ان تمام ضروریات کو پورا کرتا رہے جن کو رسول خداؐ اپنی حیات طیبہ میں پورا کرتے تھے اور وہ امام ایسا ہو جو ان اہم اور عظیم امور کی انجام دہی کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہو لہذ اوہ دینی امور جن کے لیے امام کا وجود ضروری ہے ان میں سے تین باتیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

۱:۔ نبی کی وفات کے بعد ان جدید مسائل کا حل جن کے متعلق نہ قرآن میں کوئی صراحت ہے اور نہ رسولخداؐ کی خصوصی نص ہے

۲:۔ صحیح اسلامی عقائد کی نشر و اشاعت، اس کی دینی توجیہات اور اسلامی ثقافت کی ترویج و قیام۔

۳:۔ اسلام پر معترضین کو رد کرنا اور اسلامی شریعت کی حفاظت اور مسلمانوں کو کفر الحاد کے انحرافات سے بچانا۔ اسی طرح دنیوی امور میں بھی امام کی ضرورت ثابت ہے کہ معاشرے کی باگ ڈور

سنبھالنے کے لیے امام یا سربراہ کی ضرورت فطری ہے۔قدیم زمانے ہی سے اوراس وقت سے جب انسان غاروں اور جنگلوں میں زندگی بسر کیا کرتا تھا اس وقت کے انسان کو بھی اس ضرورت کا احساس تھا اور آج کا انسان بھی اپنی ضرورت کا شدت سے احساس کر رہا ہے کیونکہ محض قوانین کا موجود ہونا کافی نہیں ہے بلکہ قوانین کے ساتھ ساتھ ایک حاکم و ایسے فرما نروا کی ضرورت ہے جو معاشرتی زندگی کو ان قوانین کے تحت چلائے جو ہر کام شعور سے کرے اور لاشعوری طور پر بھی کوئی غلطی نہ کرے۔اسی بات کی طرف ڈاکٹر محمد خلیفہ برکات اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ظاہری عقل اور شعور ، لاشعوری امور کی نسبت بہت محدود ہے۔[4] لہذا اس بات کی ضمانت امام کے علاوہ کوئی شخص نہیں دے سکتا شرح المواقف کے مصنف شیخ ابوعلی کہتے ہیں :۔امام کو مقرر کرنے سے ضرر سے بچا جاسکتا ہے جس کا گمان غالب ہو اور بندوں پر ایسے ضرر سے بچنا اگر ممکن ہو تو اجماع کی رو سے بچنا واجب ہے۔[5] کتاب شرح المقاصد کے مصنف اسی بات کا استدال یوں کرتے ہیں جہاد، شرعی حدود اور دیگر اسلامی احکام کا نفاذ ایسے امور ہین جن کا نظام امام کے بغیر نہیں چل سکتا۔[6]

پس معلوم ہو اامام کا وجود دینی اور دنیاوی ہر اعتبار سے ضروری ہے امامت کی ضرورت کو سلسلہ عصمت وامامت کے آٹھویں تاجدار امام رضاؑ نے یوں بیان فرمایا ہے۔امامت پر دین کا دارومدر ہے اور اسی کی وجہ سے مسلمانوں کا نظام اور انتظام چلتا ہے۔مومنین کی اس میں دنیوی بہتری ہے اور ان کی عزت بھی اسی کے سبب ہے پھیلتے ہوئے اسلام کی جڑ امامت ہے جس کی شاخیں بہت بلند ہیں۔امام ہی کے سبب سے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، اور جہاد، کمال تک پہنچتے ہیں۔امام ہی کے سبب نیکیوں اور صدقات میں اضافہ ہوتا ہے۔امام ہی حدود اور احکام جاری کرتا ہے اور امام ہی تفرقے اور گروہ بندیوں کی روک تھام کرتا ہے۔[7] امام علی رضاؑ کی اس نورانی حدیث اور اہل سنت کے مذکورہ معروف علما کے اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ امام کا وجود ضروری ہے امام کی حیثیت اس نظام میں ایسے ہیں جیسے جسم کے اعضاء میں دل کی حیثیت ہوتی ہے۔شیعہ اور اہل سنت کے ہاں امامت کے مفہوم میں واضح فرق پایا جاتا ہے گزشتہ بحث کی روشنی میں شیعہ کے ہاں امامت ایک مقدس منصب ہے اور ایسا مقام ہے کہ جس کی بنیادی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ فرد اللہ کا منتخب شدہ ہو علم غیب رکھنے والا

اور معصوم عن الخطا ہو مگر اہل سنت ان صفات میں سے کسی کو بھی خلیفہ کے لیے ضروری نہیں سمجھتے ۔خواجہ نصیر الدین طوسیؒ امامت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"ألا اِمَامَةُ رياسة عامة فی امور الدين والدنيا "(امامت دینی اور دنیاوی امور میں ریاست اور رہبری کا نام ہے)

یعنی امام صرف مسائل فقیہہ اور دینی معلومات کا خزانہ نہیں ہوتا بلکہ وقت کا حاکم مطلق ہوتا ہے یعنی خدا اور رسول کے بعد امام معصوم حاکم ہوتا ہے لہذا شیعہ کے ہاں امامت اپنے اس وسیع مفہوم کے ساتھ قابل قبول ہے ۔ابن خلدون اپنی مشہور کتاب" مقدمہ ابن خلدون "میں لکھتا ہے ۔صاحب شریعت کے دین کی حفاظت اور دنیوی سیاست میں نیابت کا نام امامت ہے ۔اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امامت کے ایک پہلو کو شامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں اہل سنت کے ہاں امامت وہی خلافت ہے اور خلافت وہی امامت ہے جب کہ ان دونوں مفہوموں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ امامت میں پیشوائی ور ہبری شرط ہے اور امام جو کچھ بھی کہتا ہے اس پر عامل بھی ہوتا ہے یعنی قول وفعل دونوں سے رہبری فرماتا ہے جب کہ خلافت میں کوئی عمل انجام دے اگر چہ اس کا کردار اس کے قول کے منافی ہو۔

امامت قرآن کی نظرمیں

لفظ امام قرآن میں بہت سے مقامات پر استعمال ہوا ہے اور تمام موارد میں ایک ہی معنی

"مَنْ يُقْتَدٰی به"

جس کی پیروی کی جائے کے معنی میں استعمال ہوا ہے قرآن کی بہت ساری آیات نے امامت کے حوالے سے راہنمائی فرمائی ہے ۔اور امامت کے مفہوم کو واضح کیا ہے مگر ہم اختصار کے ساتھ چند آیات کو ذکر کرتے ہیں۔

" وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَ ئِمَّة يَّهْدُوْ نَ بِاَ مْرِنَا لَمَّا صَبَرُ وْ ا ط وَ كَا نُوْا بِاٰ يٰتِنَا يُوْ قِنُوْنَ "[۸]

اور ہم نے ان میں سے ایسے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں۔ جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں اس آیہ کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت کے عظیم منصب کو پانے کے لیے ذاتی صلاحیت حاصل کرنا ضروری ہے اس آیت میں غور کریں تو دو مطلب قابل استفادہ ہیں۔

ا۔انسان تب مقام امامت کا حق دار ہے جب

مشکلات وحادثات میں صبر سے کام لے اور خدا کی طرف سے امتحانات میں کامیابی سے ہم کنار ہو ۔اپنے نفس پر کاملاً مسلط، گناہوں سے بچنے والا ہو وظیفہ کی ادائیگی اور احکام دین پر عمل کرنے میں استقامت دکھائے۔

۲۔ جب تک انسان یقین کی منزل کو نہ پائے اور عالم غیب کے حقائق سے مربوط نہ ہو اور دل کی آنکھ سے عالم ہستی کے باطن کا مشاہدہ نہ کرے مقام امامت وولایت تک نہیں پہنچ سکتا اور امت کا امام نہیں بن سکتا۔ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ

" وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ط وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ط وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ہ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ہ"[۹]

﴿اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب بطور عطیہ دیے اور ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق راہنمائی کرتے تھے اور ہم نے نیک عمل کی انجام دہی او رقیام نماز اور زکوۃ کی ادائیگی کے لیےان کی طرف وحی کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے﴾ **امامت**

روایات آئمه کے آئینه میں۔:

ویسے تو امامت کے موضوع پر ہزاروں روایات آئمہؑ سے نقل ہوئی ہیں مگر ہم اختصار سے کام لیتے ہیں اور چند روایات کو بیان کرتے ہیں جن میں امامت کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دین مبین اسلام میں امامت ایک مرکزی نکتہ ہے عام انسان امامت کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکتا اور یہ ایسا مقام ہے کہ جس کے انتخاب کا حق صرف اور صرف خداوند متعال کو ہے ذیل میں چند روایات کو ذکر کرتے ہیں۔آسمان امامت و ولایت کے آٹھویں تاجدار حضرت امام رضاؑ کو جب مدینہ سے خراسان لایا گیا اور نیشا پور سے جب آپ کا گزر ہوا تو آپ کے چاہنے والے دور دراز کے علاقوں سے سینکڑوں میل پیدل چل کر آپ کے دیدار کے شوق میں آپ کی خدمت میں آئے اور آپ کی زبان مبارک سے آپ کے جد امجد کی حدیث سننے کی خواہش کی تو اس وقت آپؑ نے فرمایا:"**سمعت عن ابی** .. میں نے اپنے والد گرامی سے انہوں نے اپنے والد پھر انہوں نے اپنے والد گرامی سے۔۔یہاں تک کہ مولائے کائنات نے رسول اللہؐ سے اور رسول اللہؐ نے حضرت جبرائیل سے سنا ہے کہ خداوند متعال نے

فرمایا ہے کہ ''کلمة لاالہ الا الله حضنی فمن دخل حضنی امن من عذابی'' کلمہ توحید میرا قلعہ ہے جو میرے قلعے میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا''مورخین نے لکھا ہے کہ یہاں پر امام کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا ''بشرطھاوشروطھا وانا من شروطھا'' یعنی توحید اپنی شرطوں کے ساتھ خدا کا قلعہ ہے اور ان شرطوں میں سے ایک میں علی رضاؑ ہوں۔

اس حدیث میں امامؑ نے توحید اور امامت کے رابطے کی نشان دہی کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ امامت کے بغیر توحید نامکمل ہے۔یعنی توحید اور امامت کا تعلق شرط ومشروط والا ہے جیسے شرط کے فاقد ہونے سے مشروط بھی فاقد ہوجاتا ہے ویسے ہی امامت کے نہ ہونے سے توحید بھی نہیں ہوگی۔

انہیں امام ہشتمؑ سے ایک اورطولانی روایت منقول ہے جو امامت کے مفہوم کو اور واضح تر فرماتی ہے عبدالعزیز ابن مسلم روایت کرتا ہے کہ ہم مرو میں امام رضاؑ کے ساتھ تھے یعنی ان کے دور میں موجود تھے اور جمعہ کے دن جامع مسجد میں چندلوگ اکھٹے ہوئے اور امامت کا موضوع جولوگوں کے درمیان موضوع اختلاف تھا پر گفتگو کی پھر میں امامؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوا امامت کے بارے میں لوگوں کے خیال امامؑ تک منتقل کیے امامؑ مسکرائے اور فرمایا''یاعبد العزیر جھل القوم وخدعو عن آرائیھم ..... چونکہ حدیث کافی طولانی ہے۔لہذا حدیث کے ایک حصے کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔''اے عزیز یہ لوگ نادان ہیں انہوں نے اپنی رائے سے دھوکہ کھایا ہے بے شک خداوند متعال نے اس وقت تک اپنے نبی کو نہیں اٹھایا جب تک دین کو مکمل نہیں کر لیا اور قرآن کو نازل نہیں کیا وہ قرآن جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے حلال حرام، حدود واحکام اور جس کے لوگ محتاج ہیں سب کچھ قرآن میں موجود ہے فرمایا ''فَقَالَ عَزَّوَجَلُ مَا فَرَّطْنَا فِیْ الْكِتَابِ مِنْ شَیْئٍ هَلْ یُرْفَوْنَ قَدْرِ الْاِمَامَةِ۔۔۔''۔ کیا وہ لوگ امامت کی قدر و منزلت کو جانتے ہیں تاکہ ان کا کسی کو امت کی شان بالا کے لیے امام منتخب کرنا جائزہ ہو بے شک امامت کی قدر منزلت بلند ہے امامت کی شان اور ایسا عظیم منصب ہے کہ وہ لوگ اپنی عقول ورآراء سے اس کو نہیں سمجھ سکتے۔اور نہ اپنے وہم وگمان سے کسی کو امام بنا سکتے ہیں امامت ایسا مقام ہے جس کو ابراہیم نے نبوت اور خلت کے بعد حاصل کیا یہ امامت تیسرا مقام ومرتبہ رکھتی ہے کہ جس

کے ذریعے خدا نے ابراہیم کے نام کو بلند کیا اور فرمایا ''**انی جاعلك للناس اماماً**'' تو حضرت ابراہیم خلیل خدا نے خوشی سے تمنا کی ''**قال من ذریتی**'' پھر خداوند متعال نے حضرت ابراہیمؑ کی تکریم فرمائی اور ان کی ذریت سے اہل طہارت کو امامت دی اور فرمایا'' **وَ وَ هَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ ؕ وَ یَعۡقُوۡبَ نَا فِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِیۡنَ ہ وَ جَعَلۡنٰهُمۡ اَ ئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَ مۡرِ نَا وَ اَ وۡ حَیۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَ اِ قَا مَ الصَّلٰو ۃِ وَ اِ یۡتَآ ءَ الزَّ كٰو ۃِ وَ كَا نُوۡ ا لَنَا عٰبِدِیۡنَ ہ**''[10]

یہ سلسلہ امامت حضرت ابراہیم کی ذریت میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ خداوند متعال نے رسول خداؐ کو اس کا وراث بنایا اور فرمایا

'' **اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّزِیۡنَ اتَّبَعُوۡ هُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّزِیۡنَ اٰ مَنُوۡ ا ؕ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الۡمُوۡ مِنِیۡنَ** ''[11]

﴿اور پھر خدا کے حکم سے اس مقام امامت کو حضرت امیر المومنین کو دیا پھر ان کی برگزیدہ ذریت تک منتقل ہوا﴾

''فمن این یختار هو الجهال ؟''

پس یہ جاہل لوگ کیسے اپنے لیے امام کا انتخاب کرتے ہیں بے شک امامت انبیاء کا مقام ہے اور اوصیا کی میراث ہے۔ امامت اللہ اور رسول خداؐ کی خلافت ہے اور حضرت امیر المومنینؑ کا مقام اور حسنؑ اور حسینؑ کی میراث ہے یقیناً امامت زمام دین، نظام مسلمین اور مومنین کی عزت اور سربلندی ہے امامت اسلام کی پاک بنیاد اور اس کی بابرکت شاخ کا نام ہے امامت کے وسیلے سے نماز، روزہ حج زکوۃ اور جہاد تمام ہوتے ہیں غنیمت وصدقات کی فراوانی، حدود واحکام کا نفاذ، اور مملکت اسلامیہ کے حدود کی حفاظت۔ نظام امامت ہی کے ذریعے ممکن ہے امام اللہ کے حرام وحلال کو بیان کرنے والا خدا کی حدود کو قائم کرنے والا اور خدا کے دین کا مدافع ہوتا ہے اور امام حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے لوگوں کو راہ خدا کی دعوت دیتا ہے۔ امام سورج کی طرح دنیا میں طلوع کرتا ہے اور افق میں ہوتا ہے تا کہ لوگوں کے ہاتھوں اور آنکھوں سے محفوظ رہے امام ایک درخشاں چاند، روشن چراغ اور چمکتا ہو انور ہوتا ہے۔ امام رات کی تاریکیوں اور خلوت کے صحراؤں میں اور دریاؤں کے گرداب میں راہنما ستارے کی مانند ہے امام تاریکیوں میں ایسا راہنما ہے۔ کہ جو بھی امام سے

جدا ہوا ہلاک ہونا اس کا مقدر ہوگا امام ابر باراں، روشن آفتاب، سایہ بخش آسمان اور ابلتا ہوا چشمہ ہوتا ہے ۔امام مہربان باپ ،دلسوز بھائی اور خدا کے بندوں کی پناہ گاہ ہے خوف کے وقت امام لوگوں پر خدا کا نمائندہ اور اس کی حجت ہے امام نظام دین عزت مسلمین ،منافقین کے لئے خشم اور کفار کی ہلاکت ہے امام منفرد و یکتا ہے کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتا اور کوئی دانش منداس کا ہمسر نہیں بن سکتا کون ہے جو امام کی حقیقت کا ادراک کرسکے، عقلیں اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں ۔امام کی کسی ایک فضلیت کو بیان نہیں کیا جاسکتا ۔اور نہ ہی اس کے کسی مقام کی تشریح ہوسکتی ہے امام وہ عظیم مقام ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے خطیب بے زبان دکھائی دیتے ہیں کون امام کی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے اور اس کی ذمہ داری کو پورا کرسکتا ہے کیسے ممکن ہے ؟ ہرگزنہیں ہوسکتا امام ایسا روشن ستارہ ہے جو وصف بیان کرنے والوں کی وصف سے بالاتر ہے اس مقام امامت کو بشر کا کیسے انتخاب کرسکتا ہے کہاں عقل اور کہاں مقام امامت رسول اللہ کے خاندان سے باہر کہاں ایسی شخصیت کو ڈھونڈا جاسکتا ہے؟ اور جو ایسا کہے گا اس نے خو د اپنی تکذیب کی ہے اس نے لغو کہا ہے اور اس نے ایسے خطرناک پہاڑ پر قدم رکھا ہے جس کا انجام نیچے گرنا ہے کیا وہ اپنی ناتوان عقل سے امام بننا چاہتے ہیں اور اپنی گمراہ سوچ سے پیشوا کو منتخب کرنا چاہتے ہیں ان کا یہ عمل ان کو سوائے حق سے دور کرنے کے اور کچھ نہیں دے گا

" وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ہ" [۱۲]

اور شیطان نے اس کے لیے ان کے اعمال کو آراستہ کردیا تھا اور انہیں راستے سے روک دیا تھا ۔حالانکہ وہ لوگ بہت ہوشیار تھے انہوں نے خدا اور رسول خدا کے انتخاب سے دوری اختیار کی اور باطل انتخاب کے پیچھے چلے گئے جب کہ قرآن نے فرمایا ہے:'

'وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط' [۱۳]

اور کسی مومن مرد اور عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائیں اور جو بھی خدا اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمرائی میں مبتلا ہوگا پس کیسے لوگوں کو

امام کے انتخاب کا اختیار ہوسکتا ہے۔ بلکہ اتنا عظیم مقام ومنصب جس کو بشر درک نہیں کرسکتا اس کا انتخاب بھی نہیں کرسکتا اور حق انتخاب صرف خداوند متعال کو ہے۔'

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب بطور عطیہ دیے اور ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق راہنمائی کرتے تھے اور ہم نے نیک عمل کی انجام دہی اور قیام نماز اور زکوۃ کی ادائیگی کے لیے ان کی طرف وحی کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔

حوالہ جات

	سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴		سورہ سجدہ آیت نمبر ۲۴
	سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴،		سورۂ انبیا ،آیت ۷۲، ۷۳
	شرح المقاصد ج ۲، ص ۸۷۲	10	ایضاً
	تحلیل الشخصیۃ ص ۱۴۹۔	11	سورۂ آل عمران ،آیت ۶۸
	شرح المواقف ص ۷۲۹	12	سورۂ عنکبوت، آیت ۳۸
	شرح المقاصد۔ ج ۲، ص ۲۷۳	13	سورۂ احزاب، آیت ۳۶
	اصول کافی ج، ۱۔ص، ۱۹۹		

☆☆☆☆☆

فقہ اہل بیتؑ میں بچوں کے حقوق

حجۃ السلام سید رمیز الحسن موسوی

مقدمہ

اس سے پہلے کہ ہم فقہ اسلامی میں بچوں کے حقوق کے بارے میں بحث کریں ،اس موضوع میں استعمال ہونے والے مفردات کی وضاحت ضروری ہے تا کہ موضوع کی حدود مشخص ہو جائیں۔

حق: جو چیز کسی شخص پر دوسرے کی نسبت واجب ہو یا کسی دوسرے شخص کے ذمہ کسی کی کوئی چیز ہو، اسے اسکا حق کہتے ہیں ۔دوسرے الفاظ میں کسی دوسرے کے بارے میں انسان کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ اس کے حقوق کہلاتے ہیں ۔حق کا ایک اور معنیٰ بھی ہے کہ جو چیز مطابق واقع ہو اسے حق کہا جاتا ہے،اُردو میں ''حق'' جن معانی میں مستعمل ہے وہ یہ ہیں :سچ ،صدق ،دُرست ، بجا،ٹھیک ۔ثابت، قائم ،فرض، ذمہ داری، جائز، مباح ،صلہ ،بدلہ، عدل وانصاف اور معاوضہ واُجرت ۔لیکن یہاں فقہی حقوق مراد ہیں کہ جو کسی شخص کی نسبت کسی دوسرے کی گردن پر ثابت ہوتے ہیں۔

فقہ: اُردو میں فقہ سے مراد واقفیت،علم،احکام شریعت کی معلومات یا علم دین اور شریعت اسلامیہ کا علم ہے ۔عربی میں ثلاثی مجرد ابواب میں سے مصدر ہے جس کا معنیٰ جاننا ہے اور شرع کی اصطلاح میں احکام شریعت کے علم کو فقہ کہا جاتا ہے ۔جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

'فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ[1]

یعنی؛ہر گروہ میں سے ایک طائفہ کیوں کوچ نہیں کرتا (اور ایک حصہ باقی نہیں رہتا) تا کہ دین اسلام کے احکام ومعارف سے آشنائی حاصل کریں۔

بچہ: جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔ جسے عربی میں طفل کہا جاتا ہے اور جس پر احکام شریعت لاگو نہ ہوتے ہوں ،دوسرے الفاظ میں غیر مکلّف انسانوں میں ایک بچہ بھی ہے۔اس موضوع میں بچوں کے حقوق

سے مراد وہ تمام حقوق ہیں کہ جو فقہ اسلامی میں بچوں کے بارے میں معین کئے گئے ہیں۔خواہ وہ والدین کے اوپر ہوں یا معاشرے کے اوپر۔خواہ وہ اپنے بچوں کے حقوق ہوں یا معاشرے میں موجود بچوں کے۔یعنی یہاں بچہ کا کلمہ عام ہے یعنی بچہ اپنی اولاد میں سے ہو یا کسی اور کا بچہ ہو۔اس کے شریعت میں کچھ حقوق ہیں جن کی نشاندہی کرنا مقصود ہے۔

بین الاقوامی قوانین میں بچوں کے حقوق تمام مہذب معاشروں اور اقوام وملل میں بچوں کے حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے اور اپنے اپنے قوانین میں نابالغ اور چھوٹی عمر کے افراد کے بارے میں حقوق مشخص کئے گئے ہیں۔اسی لئے اقوام متحدہ کے بین الاقوامی ادارے نے بھی بچوں کے بارے میں کچھ حقوق مشخص کئے ہیں، یہاں موضوع کی مناسبت سے جن کا مطالعہ بے جانہیں ہے۔اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن نے بچوں کے جو حقوق مقرر کئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔انسانی حقوق کے بارے میں جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں اُن میں درج بچوں کے تمام حقوق کی مراعات کی جائے اور ہر بچے کو بیان شدہ حقوق دیئے جائیں۔

۲۔بچے کو خصوصی حمایت حاصل ہونی چاہیے اور اُس کی جسمانی ،فکری ،اخلاقی ،اجتماعی پرورش کے لئے جن وسائل کی ضرورت ہے ،وہ اسے فراہم ہونے چاہیں۔

۳۔بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کا نام اور قومیت مشخص ہوجانی چاہیے۔

۴۔بچے کو اجتماعی امنیت حاصل ہونی چاہیے ۔تاکہ وہ ایک سالم ماحول میں پرورش پاسکے۔لہذا بچوں اور ماؤں کو خصوصی حمایت اور محافظت کی ضرورت ہے کہ جو پیدائش سے پہلے اور بعد میں ضروری ہے۔

۵۔جو بچہ بدنی اور ذہنی لحاظ سے معذور ہے اسے خصوصی توجہ اور حمایت سے بہرہ مند ہونا چاہیے۔

۶۔بچے کو مکمل پرورش اور متعادل شخصیت کے لئے محبت اور تفاہم کی ضرورت ہوتی ہے۔لہذا اسے حتیٰ الامکان اپنے والدین کی سرپرستی میں رہنا چاہیے اور ہر صورت میں ایک محبت بھرے ماحول اور اخلاقی ومادی امنیت کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔

۷۔چھوٹے بچوں کا سوائے استثنائی مواقع کے ماں سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔

۸۔معاشرے اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ

بے گھر اور بے سہارا بچوں کو خصوصی توجہ دے اور اپنی مالی واخلاقی حمایت سے بہرہ مند کرے۔

۹۔بچوں کو کم ازکم پرائمری تک مفت اور اجباری تعلیم دی جائے۔اس سلسلے میں مذید تفصیل کے لئے انسانی حقوق سے متعلق لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۰۔ہر قسم کی غفلت،ظلم وستم،شقاوت اور جرائم کے سلسلے میں بچوں کی حمایت کی جائے۔ہر قسم کے نسلی ،مذہبی اور قومی تعصّبات کے سلسلے میں بچوں کی حمایت کی جائے اور اُنہیں تحفظ دیا جائے۔[۲]

یہ تھا بین الاقوامی حقوق میں بچوں کے حقوق کا خلاصہ کہ جس میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر قوم وملت کے بچوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور اُنہیں کسی قسم کے ظلم وستم کا نشانہ بننے سے محفوظ رکھا جائے لیکن دین اسلام نے انسانی حقوق کے کمیشن کی ان سفارشات سے چودہ سو سال پہلے بچوں کے انہی حقوق کا دفاع کیا ہے اور ان سے بھی بڑھ کر بچوں کے حقوق معین کئے ہیں۔جن کا مختصر جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

اسلام میں بچوں کے حقوق

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے جانشین ائمہ اطہارؑ کی تعلیمات میں آج سے چودہ سو سال پہلے بچوں کے اُن حقوق کا تذکرہ ملتا ہے کہ جن کی یاددہانی آج کی متمدن دنیا اور اس کے نمائندے کر رہے ہیں۔اور بین الاقوامی حقوق میں دس مادوں پر مشتمل ایک قانون بنایا جاتا ہے کہ جس میں بچوں کے حقوق کا دفاع کیا جاتا ہے اور اُن کے حقوق مقرر کیئے جاتے ہیں۔لیکن رسول اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ نے اپنے فرمودات میں بچوں کے بارے میں جس باریک بینی کے ساتھ حقوق مقرر کئے ہیں اُن کے متعلق ابھی تک انسانی حقوق کمیشن سوچ بھی نہیں سکتی۔اب ہم اختصار کے ساتھ چہاردہ معصومینؑ کے اُن فرمودات کا مطالعہ پیش کرتے ہیں جن میں بچوں کے حقوق بیان ہوئے ہیں اور جن کی بنیاد پر فقہائے اسلام نے بچوں کے شرعی حقوق مقرر کئے ہیں۔

ائمہ اھل بیتؑ کے نزدیک بچوں کے حقوق

سیرت رسول خداؐ

جب کبھی کسی نومولود بچے کو دعا اور نام رکھنے کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا جاتا تو آنحضرتؐ اُسے (خندہ پیشانی کے ساتھ) اپنی آغوش مبارک میں لے لیتے۔کبھی کبھار کوئی بچہ اگر پیغمبرؐ کے دامن مبارک کو گیلا کر

دیتا تو آس پاس موجود اس کے والدین بچے پر چیختے اور ندامت کا اظہار کرتے تو پیغمبرؐ اُنہیں منع کرتے اور فرماتے: ''لا تزرموا بالصبی،فیدعه حتی یقضی بوله'' بچے کو سختی کے ساتھ پیشاب کرنے سے منع نہ کرو، اُسے آزاد چھوڑ دو تا کہ وہ پیشاب کر سکے''۔ جب بچے کے لئے دعا اور نام گذاری کا وقت ختم ہو جاتا بچے کے والدین انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ اپنے بچے کو پیغمبرؐ کی گود مبارک سے لیتے اور آپؐ کے چہرے پر ذرہ بھر ملالت وغصے کے آثار نہ دیکھتے۔ اور جب بچے کے والدین چلے جاتے تو رسول اکرمؐ اپنا لباس پاک کر لیتے۔[۳]

رسول اکرمؐ نے ایک خطبے کے دوران فرمایا:

''وقروا کبار کم وارحموا صغار کم۔''

اپنے بڑوں کا حترام کرو اور اپنے چھوٹوں پر رحم ومہربانی کرو۔[۴] ایک دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا:

''لیس منا مَن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا۔'' جو شخص ہم (مسلمانوں) کے چھوٹوں کے ساتھ رحمت ومحبت کے ساتھ پیش نہیں آتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا؛ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[۵]

امام علیؑ:

''اِنَّ لِوَلَدِ عَلی الوالد حَقاً وَاِنَّ للوالد علی الولد حقاً :فحق الوالد علی الولد اَن یُطیعهُ فی کل شئی اِلَّا فی معصیةِ اللّٰه سبحانه .وحق الولدِ علی الوالد اَن یُحسِّن َاسمهُ ویُحسن اَدبه ویُعلِّمهُ القرآن''.[۶]

بچے کا باپ پر اور باپ کا بچے پر کچھ حق ہے۔ بچے پر باپ کا حق یہ ہے کہ وہ باپ کی ہر چیز میں اطاعت کرے سوائے معصیت خدا کے۔ اور باپ پر بچے کا حق یہ ہے کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے اور اسے ادب سکھائے اور قرآن کی تعلیم دے۔

امام سجادؑ:

''واما حق ولدک؛فتعلم انه منک و مضاف الیک فی عاجل الدنیابخیره و شره و انک مسؤول عما ولیته من حُسن الادب ودلالة علی ربه و المعونة علی طاعته فیک و فی نفسه ، فمثاب علی الاحسان الیه و معاقب علی الاساء ة علیه. فاعمل فی امره عمل المتزین بحسن اثره علیه فی عاجل الدنیا المعذر الی ربه فیما بینک و بینه بحسن القیام علیه و الاخذ له منه؛ ''[۷]

''اور تمہارے فرزند کا حق یہ ہے کہ تم جان لو، وہ

تیرے ہی وجود کا حصہ ہے۔اور اس دنیا میں اپنی نیکی اور بدی کے لحاظ سے وہ تجھ ہی سے نسبت رکھتا ہے ۔اور اس کی تربیت اور ادب اور خدا کی معرفت کے سلسلے میں تم ہی جوابدہ ہو۔لہذا تجھے چاہیے کہ اسے فرمان خدا کی اطاعت کرنے میں اور جو کچھ تجھ سے اور اس سے تعلق رکھتا ہے ؛اس میں اس کی مدد کر۔اس کے ساتھ نیکی کرنے پر تجھے ثواب ملے گا اور اس کے ساتھ بدی کی تجھے سزا ملے گی ۔اس کے بارے میں تیرا عمل اس شخص کی طرح ہونا چاہیے کہ جسے اپنے کاموں کے بارے میں یقین ہے۔

فقہ اھل بیت میں بچوں کے حقوق

فقہ اہل بیت اطہارؑ کے منابع میں ایک اہم منبع ائمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث ہیں ۔احادیث ائمہؑ میں بچوں کے حقوق کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے جس کے چند نمونے پیش کیئے گئے ہیں ۔فقہائے امامیہ نے انہی احادیث کی بنا پر فقہ میں بھی کچھ ابواب بچوں کے حقوق سے مختص کیئے ہیں ۔جن میں بچوں کی دینی تربیت، مالی اور معنوی نگرانی اور سرپرستی جیسے موضوعات شامل ہیں ۔بعض لوگوں کے خیال میں فقہی احکام فقط بالغ افراد سے ہی تعلق رکھتے ہیں اور نابالغ افراد کسی بھی مسئلہ میں مکلّف نہیں ہیں ، یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے اور درست نہیں بھی ۔چونکہ نابالغ لوگوں کے اکثر احکام کی بازگشت بالغ افراد کی طرف ہوتی ہے اور اُنہیں شریعت نے مکلّف قرار دیا ہے کہ وہ بچوں اور نابالغ افراد کے حوالے سے اپنی شرعی ذمہ داریاں پوری کریں ۔لیکن چند ایک مسائل ایسے بھی ہیں کہ جو براہ راست نابالغ افراد سے تعلق رکھتے ہیں ۔جیسا کہ حدود وتعزیرات وغیرہ جیسے مسائل ۔یہاں ہم بچے کی پیدائش سے لیکر بلوغ تک فقہ اہل بیتؑ میں جو احکام بیان ہوئے ہیں اور بڑوں پر بچوں کے حوالے سے جو شرعی حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اُن کا ایک فقہی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔

تولد سے پہلے بچوں کے حقوق

شریعت اسلامیہ میں انسان کے وجود میں آنے سے پہلے کچھ چیزوں کی رعایت ضروری قرار دی گئی ہے تاکہ دنیا میں آنے والا انسان جسمانی اور روحانی لحاظ سے ایک کامل انسان ہو اور اس میں خلقت کے لحاظ سے کسی قسم کا عیب نہ پایا جائے تاکہ وہ دنیا میں آنے کے بعد اپنے تکامل کے

مراحل کو آسانی کے ساتھ طے کر سکے۔اگر بچے کو وجود میں لانے والے ماں باپ ان باتوں کی رعایت نہیں کرتے تو وہ اپنے آنے والے بچے کے حقوق ضائع کرتے ہیں۔

مباشرت کے احکام

۱۔جب انسان بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا چاہے تو مستحب ہے کہ وہ دعا کرے اور خدا سے ایک پرہیز گار، بابرکت، پاک اور سالم فرزند طلب کرے۔۸

۲۔بیوی کیساتھ مباشرت کے وقت خواہ شب زفاف ہو یا کوئی دوسرا وقت، کچھ باتیں مستحب ہیں اور کچھ مکروہ۔مستحب کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان مباشرت کے وقت ''بسم اللہ'' کہے تا کہ شیطان ، بچے کی خلقت میں حصہ نہ لے سکے ۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ''جب بھی تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا چاہے تو بسم اللہ کہے، اور اگر وہ خدا کا نام نہیں لیتا تو اس سے ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا کہ جس کی خلقت میں شیطان شریک ہوگا۔۹

فرزندان اسلام کی حفاظت

بچے کے لئے روزہ کا ضرر

۱۔جس عورت کا وضع حمل کا وقت قریب ہو اور اس کا روزہ رکھنا اس کے حمل یعنی پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے لئے مضر ہو تو اس عورت پر روزہ واجب نہیں ہے۔اور اسے چاہیے کہ ہر روز کے بدلے ایک مد طعام فقیر کو دے۔۱۰

۲۔جو عورت بچے کو دودھ پلاتی ہو اور اس کا دودھ کم ہو (خواہ وہ بچے کی ماں ہو یا دایہ ہو یا بچے کو مفت دودھ پلا رہی ہو) اگر اس کا روزہ رکھنا دودھ پینے والے بچے کے لئے مضر ہو تو اس عورت پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے اور اسے چاہیے کہ ہر روز کے بدلے ایک مد طعام فقیر کو دے۔۱۱

ماں یا بچے کی موت

۱۔جب بھی حاملہ عورت مر جائے اور اس کا بچہ زندہ ہو؛ خواہ جنین کے زندہ رہنے کی اُمید نہ بھی ہو، پھر بھی اسے (شکم مادر) سے باہر نکالنا واجب ہے ۔اگر چہ ماں کا پیٹ چاک کرنا پڑے۔۱۲

۲۔کسی مسلمان کا نبش قبر یعنی اس کی قبر کا کھولنا ۔۔۔حرام ہے۔چند صورتیں ایسی ہیں جن میں قبر کا کھولنا حرام نہیں ہے منجملہ ''جب کسی ایسے شرعی مقصد کے لئے قبر کھولی جائے جس کی اہمیت قبر کھولنے سے زیادہ ہو مثلاً کسی زندہ بچے کو ایسی حاملہ عورت کے پیٹ سے نکالنا مقصود ہو جسے دفن کر دیا گیا ہو''۔۱۳

۳۔مانع حمل اشیاء کا استعمال اس وقت حرام ہے

کہ جب رحم مادر میں منعقد شدہ نطفہ کے قتل کا باعث بنے۔۱۴

۴۔عورت کو بچہ دار ہونے سے مانع بننے کا حق نہیں ہے۔۱۵

۵۔عورت کو ایسا کوئی کام کرنے کا حق حاصل نہیں کہ وہ مرد کا نطفہ رحم سے باہر گرادے۔اگر وہ ایسا کرے تو نطفہ کی دیت ادا کرنا اس پر واجب ہو جائے گی۔۱۶

۶۔اگر انسان کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کی حالت میں اس طرح ڈرائے کہ جس کی وجہ سے عزل واقع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ ۱۰ دینار اس کا نطفہ ضائع ہونے کی بابت ادا کرے۔۱۷

جنین کا سقط کرنا

۱۔سوال: اسپیشلسٹ ڈاکٹر جدید آلات کو استعمال کرتے ہوئے اثناء حمل بچے کے بہت سے ناقص اعضاء کی تشخیص پر قادر ہیں۔پیدائش کے بعد معذور بچے جن مشکلات کا شکار ہوتے ہیں؛اس مسئلہ کو سامنے رکھتے ہوئے کیا اسقاط حمل کرنا جائز ہے،جس کے ناقص رہنے کی تشخیص مورد اعتماد اسپیشلسٹ ڈاکٹر نے کر دی ہو؟اور کیا اس کے لئے کوئی عمر معین ہے؟

جواب: صرف معذور ہونے کی وجہ سے اور یہ کہ زندگی میں کن مشکلات کا سامنا اسے کرنا پڑے گا اسقاط حمل کا جواز نہیں بنتا۔۱۸

ایک دوسرے سوال کے جواب میں رہبر معظم نے فرمایا:''رحم میں نطفے کے ٹھہرنے اور اسکے بعد کے مراحل میں سے کسی مرحلہ میں بھی اسقاط جائز نہیں ہے۔۱۹

۱۔زنا سے منعقد ہونے والے جنین کا سقط کرنا بھی حرام ہے۔۲۰

۲۔سقط جنین جس وسیلہ سے بھی ہو جائز نہیں ہے اور دیت کا موجب ہے خواہ جنین نطفہ ہی کیوں نہ ہو۔۲۱

سوال: کیا ایسے حمل کو اسقاط کرنا جائز ہے جس کا نطفہ غیر مسلم کے وطی بالشبہہ یا متشبہ مباشرت یا زنا سے ٹھہرا ہو؟

جواب: جائز نہیں ہے۔۲۲

پیوند کاری کی اولاد

۱۔جو بچہ حلال تلقیح کے ذریعے پیدا ہوا ہو تو وہ دوسری اولاد کی طرح ہے اور اپنے محارم کے ساتھ شادی نہیں کرسکتا۔۲۳

۲۔جو لڑکا یا لڑکی مصنوعی نطفہ سے اور مصنوعی رحم میں متولد ہوئے ہوں آپس میں شادی کر سکتے ہیں۔چونکہ ان کے درمیان کسی قسم کی نسبت نہیں

پائی جاتی ۔اگر چہ اُن کا نطفہ ایک ہی سبب سے لیا گیا ہو۔۲۴

۳۔جولڑکا اورلڑکی ایک ہی مرد کے نطفہ سے مصنوعی رحم میں پرورش پا کر متولد ہوئے ہوں ؛باپ کی طر ف سے ایک دوسرے کے بہن بھائی ہیں ۔(لہذا) اُن کی ایک دوسرے کے ساتھ شادی جائز نہیں۔اسی طرح باپ کی طرف سے محرم افراد کے ساتھ بھی اُن کی شادی جائز نہیں۔۲۵

۴۔جولڑکا اورلڑکی مصنوعی نطفہ سے ایک ہی عورت کے رحم میں پرورش پا کر متولد ہوئے ہوں ؛وہ ماں کی جانب سے بہن بھائی ہیں ۔اور ان کی ایک دوسرے کے ساتھ شادی جائز نہیں ہے۔اسی طرح ماں کی طرف سے محرم افراد کے ساتھ بھی اُن کی شادی جائز نہیں۔۲۶

۵۔اگر کسی مرد کی منی مصنوعی طور پر مصنوعی بچہ دانی میں (جسے بے بی ٹیوب کہتے ہیں) بچہ پیدا کرنے کی غرض سے رکھ دیا جائے تو یہ کام جائز ہے اور بظاہر بچہ اُسی کا ہو گا جس کی منی ہو اور اُن کے درمیان وہ تمام احکام جاری ہوں گے جو ایک باپ اور بیٹے کے درمیان ہوتے ہیں ۔اس قسم کے بچے اور دوسرے بچوں میں صرف فرق یہ ہے کہ اُس کی ماں نہیں ہے۔۲۷

۶۔شوہر کی منی زوجہ کے رحم میں مصنوعی طریقے سے پہنچانا جائز ہے اور اُس سے پیدا ہونے والا بچہ عام اولاد کی طرح ہے لیکن اگر انجکشن لگانے والا اجنبی ہو اور انجکشن عورت کی شرمگاہ کو دیکھنے یا چھونے کا سبب ہو تو یہ کام جائز نہیں ہے۔۲۸

۷۔مصنوعی پیوندکاری اور حمل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں آیت اللہ خامنہ ای لکھتے ہیں :بچہ صاحب نطفہ سے ملحق کیا جائے گا ۔اور مذکورہ طریقے سے پیدا ہونے والا بچہ صاحب نطفہ ماں باپ کا ہوگا۔۲۹

تولد کے بعد تا بلوغ بچوں کے حقوق پیدائش کے بعد بچے کو غسل دینا

۱۔نومولود کو غسل دینا مستحب ہے۔۳۰

۲۔نومولود کو اس صورت میں غسل دنیا مستحب ہے کہ غسل دینا اس کے لئے ،مضر نہ ہو۔۳۱

۳۔اگر نومولود کو غسل دینے میں دو تین دن کی تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر اتنی تاخیر کی جائے عرف عام میں اسے نومولود نہ کہیں تو بہتر ہے اسے رجاءً غسل دیا جائے۔۳۲

گھٹی پلانا

۱۔مستحب ہے کہ نومولود کو آب فرات اور تربت سید

الشہد اعلیہ السلام پلایا جائے۔۳۳

اذان واقامت کہنا

۱۔مستحب ہے نومولود کے دائیں کان میں اذان ،بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔۳۴

نام رکھنا

۱۔مستحب ہے کہ بچے کے پیدا ہونے کے بعد اس کو اچھے نام سے موسوم کیا جائے کیونکہ بچے کا باپ پر حق ہے کہ وہ اس کو اچھے نام سے موسوم کرے۔

۲۔اور سب سے اچھا نام وہ ہے جس میں اللہ کی عبودیت کا ذکر ہو مثلاً عبداللہ،عبدالرحیم،وغیرہ۔اور اس کے بعد اچھا نام وہ ہے جو انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ناموں پر ہوں اور ان میں سب سے بہتر نام محمد ہے۔بلکہ اگر چار بچے ہوں تو ان میں ایک کا نام محمد نہ رکھنا مکروہ ہے۔۳۵

سر مونڈنا

اور مستحب ہے کہ ساتویں دن بچے کا سر مونڈے اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ دے اور ایک جگہ سے سر مونڈنا اور ایک جگہ سے چھوڑ دینا مکروہ ہے۔۳۶

ختنہ کرنا

۱۔بیٹے کا ختنہ کرنا واجب ہے۔اور مستحب ہے ساتویں روز ختنہ کرائے اور تاخیر بھی جائز ہے۔اور اگر اس قدر تاخیر کرے کہ لڑکا بالغ ہو جائے تو لڑکے پر واجب ہے کہ وہ اپنا ختنہ کرائے۔

۲۔ختنہ بذات خود واجب ہے اور اس کے حج وعمرہ کا طواف صحیح ہونے کی شرط ہے چاہے حج وعمرہ واجب ہوں یا مستحب۔اور اقویٰ یہ ہے کہ ختنہ نماز کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے چہ جائیکہ دوسری عبادات کی شرط ہو۔۳۷

عقیقہ

بچے یا بچی دونوں کی کے لئے عقیقہ کرنا مستحب مئوکدہ ہے۔اور مستحب ہے کہ لڑکے کی طرف سے نُر اور لڑکی کی طرف سے مادہ جانور عقیقہ کیا جائے اور یہ کہ ساتویں دن عقیقہ کرے۔لیکن اگر عذر یا بغیر عذر کے عقیقہ کو تاخیر میں ڈالے تو ساقط نہیں ہو گا۔حتیٰ اگر بچہ بالغ ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو تو وہ خود اپنی طرف سے عقیقہ کرے بلکہ اگر وہ زندگی میں عقیقہ نہ کر سکے تو مستحب ہے کہ مرنے کے بعد اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے۔اور تین جانوروں یعنی بھیڑ،بکری،اونٹ میں سے کوئی جانور عقیقہ میں ذبح ہونا چاہیے۔ ۳۸

تولد کا ولیمہ

بچے کی پیدائش کے موقعہ پر ''ولیمہ'' مستحب ہے اور یہ ان پانچ مواقع میں سے ایک ہے کہ جن میں

ولیمہ مستحب ہوتا ہے۔جیسا کہ ان میں ایک ختنہ کا موقع ہے۔ولادت کا ولیمہ ولادت ہی کے دن کرنا معتبر نہیں ہے بلکہ ولادت کے تھوڑے دن بعد بھی کرسکتا ہے۔۳۹

بچے کو دودھ پلانا

مستحب ہے کہ بچے کو ماں کا دودھ پلایا جائے۔اس لئے کہ وہ غیر کی نسبت زیادہ بابرکت ہے۔اگر بعض جہات کی وجہ سے دوسری عورت بہتر ہو مثلاً شریف ہو،اس کا دودھ پاکیزہ ہو اور ماں کا دودھ پاکیزہ نہ ہو تو دوسری عورت دودھ پلائے۔مکمل طور پر دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال ہے۔یعنی چوبیس مہینے۔اور تین مہینے اس میں سے کم کرنا جائز ہے۔مثلاً اکیسواں مہینہ پورا ہونے کے بعد دودھ چھڑا دے لیکن اگر دودھ پلانا ممکن ہو اور دودھ چھڑانے کی ضرورت نہ ہو تو اس سے کم کرنا جائز نہیں ہے۔۴۰

بچے کی نگھداشت

بچہ کی حفاظت،اس کی تربیت اور دودھ پلانے کی مدت دو سال تک اس کی نگہداشت جیسے اُمور کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے بشرطیکہ وہ آزاد ،مسلمان،عقلمند ہو چاہے لڑکی ہو یا لڑکا۔ماں خود دودھ پلائے یا کسی اور کو دودھ پلانے کی ذمہ داری سونپے۔پس اس عرصہ کے دوران احتیاطاً باپ کے لئے جائز نہیں کہ وہ بچے کو ماں سے جدا کرے۔اگر چہ ماں نے بچے کا دودھ چھڑا دیا ہو۔لہذا جب دودھ پلانے کی مدت ختم ہو جائے تو باپ بیٹے کی نسبت زیادہ حقدار ہے اور ماں بیٹی کی نسبت یہاں تک کہ وہ سات سال کی ہو جائے۔سات سال کے بعد باپ اس کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔۴۱

بچے کی خوراک اور غذا

بچوں کو نجاست یا نجس چیز کھلانا:

۱۔بچوں کو عین نجاست کھلانا حرام ہے۔۴۲

۲۔بچوں کو ہر مست کنندہ چیز کھلانا حرام ہے۔۴۳

۳۔بچوں کو نجس شدہ چیز کھلانا جائز ہے۔لیکن اگر نجس شدہ چیز بچے کے لئے نقصان دہ ہو تو کھلانا جائز نہیں۔۴۴

۴۔اگر کسی شخص کے پاس وضو کی مقدار تک پاک پانی ہو اور بقیہ پانی نجس ہو تو اس صورت میں اگر اُسے ڈر ہو کہ کوئی بچہ پیاس سے نقصان میں پڑ جائے گا تو اس وقت نجس پانی اسے دے سکتا ہے اور پاک پانی سے وضو کرسکتا ہے۔۴۵

بچے کی سرپرستی اور ولایت

بچے کی سرپرستی اور ولایت بالترتیب درج ذیل

افراد کے ذمہ ہے؛ کہ جن میں سے ایک اگر نہ ہوتو دوسرا اس کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۔باپ اور دادا ۲۔باپ کا وصی یا دادا کا وصی کہ جسے بچے کا سرپرست مقرر کیا گیا ہے۔

۳۔حاکم شرع ۴۔عادل مومنین۔

بچے کے ولی کی شرائط

بچے کی سرپرستی اور ولایت اپنے ذمہ لینے والے افراد میں درج ذیل شرائط ہونی چاہیں:

۱۔بالغ وعاقل اور آزاد ہو۔

۲۔اگر بچہ مسلمان ہے تو اس کا ولی بھی مسلمان ہونا چاہیے[۴۶]

نوٹ :اگر کسی بچے کا باپ کافر ہے تو اس بچے کی ولایت اس کے دادا کے ساتھ مختص ہو جائے گی۔اور اگر وہ بھی کافر ہے تو بچے کا ولی حاکم شرع ہوگا۔[۴۷]

حوالہ جات

	توبہ آیت ۱۲۲		تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۲۳۹،م ۸
	احمدی، اسلام وحقوق کودک،ص ۱۹		تحریرالوسیلہ، ج ۲، ص ۲۳۹،م ۸
	بحارالانوار۔ ج ۶،ص ۱۵۳	10	توضیح المسائل،، مسئلہ ۱۷۳۷
	عیون اخبارالرضا، ص ۱۶۳	11	توضیح المسائل مسئلہ ۱۷۳۸
	مجموعہ ورام، ج ۱،ص ۳۴	12	توضیح المسائل،مسئلہ ۶۳۴ اردو ایڈیشن
	نہج البلاغہ،، کلمات حکمت ۳۹۱	13	توضیح المسائل،مسئلہ ۶۵۰ ایڈیشن
	تحف العقول عن آل الرسول ؐ ،رذیل سخنان سجادؑ	14	استفتائات، ج ۱،ص ۷۰ اردو ایڈیشن
15	مجمع المسائل، ج ۱،ص ۵۵۲	33	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۳۱۰
16	عروۃ الوثقی، ج ۲،ص ۸۰۹،	34	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۳۱۰،
17	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۵۹۸،	35	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۳۱۰،
18	استفتائات،، ج ۲،ص ۱۰۵	36	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۳۱۰،
19	ایضاً سوال ۱۸۰	37	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۳۱۰،
20	مسائل وردود ص ۹۴،م ۲۶۹	38	تحریرالوسیلہ ج ۲ص ۳۱۵،
21	مجمع المسائل ج ۳ص ۲۴۴،	39	تحریرالوسیلہ ج ۲ص ۳۱۰،
22	استفتائات، ج ۲،ص ۱۰۹	40	تحریرالوسیلہ ج ۲ص ۳۱۵،
23	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۶۲۲	41	تحریرالوسیلہ ج ۲ص ۳۱۵، ۱
24	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۶۲۳	42	خوئی،منہاج الصالحین، ج ۲،ص ۳۱۹
25	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۶۲۳،	43	یزدی،عروہ ج ۱ص ۹۳
26	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۶۲۲	44	خوئی،توضیح المسائل ،ص ۲۴
27	خوئی،توضیح المسائل مسئلہ ۲۸۹۸	45	یزدی،عروہ ج ۱ص ۴۷۷
28	خوئی،توضیح المسائل،مسئلہ ۲۸۹۹	46	تحریرالوسیلہ ج ۲ص ۲۵۶،
29	آیت اللہ خامنہ ای،استفتائات ،ج ۲ ،ص ۱۱۱ س ۱۸۹ اُردو ایڈیشن	47	یزدی،عروہ ج ۲،ص ۸۶۹
30	توضیح المسائل،خوئیؒ مسئلہ ۶۵۱	48	یزدی،عروہ ج ۲،ص ۸۶۹
31	تحریرالوسیلہ، ج ۲،ص ۳۱۰	49	تحریرالوسیلہ ج ۲ص ۲۵۶
32	عروۃ الوثقی، ج ۱،ص ۴۶۵	50	تحریرالوسیلہ ج ۲ص ۲۵۶،

ارسال الیدین

﴿نماز میں ارسال الیدین کے جواز اور تکتف کی حرمت کے بارے میں ایک تحقیق﴾

ابن ذاکر موسوی

۱۔اسلام میں نماز کی اھمیت

شرعی اصطلاح میں رکوع وسجود اور قرائت وذکر پر مشتمل مخصوص عمل کو نماز کہتے ہیں کہ جو نیت اور خاص شرائط کے ساتھ تکبیر کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور سلام پر ختم ہو جاتا ہے۔نماز کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہوئے اپنی بندگی کا اظہار کرے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس سے اپنی بندگی کی تجدید عہد کرے۔نماز اصول دین کے بعد اہم ترین واجبات میں سے ہے اور شریعت کے پنچگانہ اراکین (نماز، روزہ، زکات، حج وجہاد) میں سے ایک ہے۔نماز دین کا ستون ہے اور قرآن کی نظر میں نماز انسان کو بُرائی اور فحشاء سے روکتی ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے اور حوائج تک رسائی اور مصائب وشدائد سے نجات کا ذریعہ ہے۔نماز کا حکم مکہ میں بعثت کے اولین ایام میں نبی اکرمؐ پر نازل ہوا ہے۔لیکن جیسا کہ مشہور ہے اس کی کیفیت اور رکعتوں کی تعداد شب معراج نازل ہوئی ہے۔قرآن اور کتب حدیث میں نماز کی اہمیت کے بارے میں بہت کچھ نقل ہوا ہے کہ جن میں سے چند ایک کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔

''فَاَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَت عَلَی المُومِنِینَ کِتَاباً مَّوقُوتاً'' ۱۔

نماز کو قائم کرو کیونکہ نماز مومنین کے لئے ثابت اور معین فریضہ ہے۔

''وَاستَعِینُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیرَۃٌ اِلَّا عَلَی الخٰشِعِینَ''۲۔

اور (مشکل وقت میں) صبر اور نماز سے استعانت حاصل کرو اور خشوع کرنے والوں کے علاوہ دوسروں پر یہ کام گراں ہے۔ترقی کرنے اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے دو بنیادی ارکان کی ضرورت ہے۔ایک طاقت ور اور مضبوط اندرونی قلعہ اور دوسرا بیرونی محکم سہارا۔مندرجہ بالا آیت میں ان دونوں اساسی ارکان کو صبر وصلوٰۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔صبر استقامت اور بُردباری کے ساتھ

مشکلات کے محاذ پر ڈٹ جانے کا نام ہے اور نماز خدا سے رابطے اور تعلق کا وسیلہ ہے۔ جو ایک مضبوط اور محکم سہارا ہے ۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جب دنیا کے غموں میں سے کسی کا سامنا ہو تو وضو کرو اور مسجد میں جا کر نماز پڑھو اور پھر دعا کرو۔ کیونکہ خدا نے خود ہی حکم دیا ہے:

'' **وَاستَعِينُوا بِاالصَّبرِ وَالصَّلوٰةِ** ''

نماز کی طرف توجہ اور راز و نیاز انسان میں نئی طاقت پیدا کر دیتا ہے ۔کتاب کافی میں منقول ہے کہ جب بھی حضرت علیؑ کو کوئی سخت مشکل درپیش ہوتی تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور پھر اس آیت کی تلاوت کرتے'' **وَاستَعِينُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلوٰةِ**''۔

رسول اکرمؐ کا فرمان ہے:''نماز دین کا ستون ہے جو بھی اسے چھوڑے گا وہ اپنے دین کو منہدم کر دے گا''۔نیز آپؐ نے فرمایا:''اپنی نمازوں کی حفاظت کرو چونکہ قیامت کے دن سب سے پہلی چیز جس کے بارے میں سوال ہوگا وہ نماز ہے ۔اگر اسے درست انجام دیا تو فلاح پا جاؤ گے ورنہ آتش میں ڈال دیئے جاؤ گے''۔

جنگ صفین کے دوران ایک دن ابن عباسؓ نے دیکھا جنگ اور قتل و غارت اپنے عروج پر ہے لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں ؛ابن عباسؓ نے پوچھا:

یا علیؑ آپ کیا کر رہے ہیں؟امامؑ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں ظہر کا وقت ہوا ہے یا نہیں اور میں نماز پڑھوں یا نہیں ۔ابن عباسؓ نے کہا: یہ کونسا وقت ہے نماز پڑھنے کا،اس وقت تو جنگ عروج پر ہے؟! امام علیہ السلام نے فرمایا:''ہم اس گروہ سے کس لئے لڑ رہے ہیں؟ ہم نماز کے لئے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے ہی تو لڑ رہے ہیں ۔ابن عباس کہتے ہیں:علیؑ نے کبھی نماز شب ترک نہیں کی حتیٰ ''لیلة الهرير ''کو بھی کہ جب بہت ہی خوفناک رات تھی اور ہر دو لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور تھے ۔امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :ہمارے پیروکاروں کا نماز کے وقت امتحان کرو۔کہ وہ نماز کا کس قدر خیال کرتے ہیں۔[۳۱]

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں : اگر نماز گذار جانتا کہ نماز کی حالت میں اپنے پروردگار کی جانب سے کس قدر رحمت اسے گھیر لیتی ہے تو وہ ہرگز سجدے سے سر نہ اُٹھاتا ۔اُصول دین میں توحید پر اعتقاد سب سے مقدم ہے اور فروعات دین میں نماز ہر چیز پر مقدم ہے ۔پس نماز دین کا رکن ہے اور

عبادت کی اصل واساس شمار ہوتی ہے۔اسی لئے آخرت میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا:

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولین پُر سش نماز بود

اس دن اگر انسان کی نماز قبول ہوگئی تو باقی اعمال بھی قبول ہو جائیں گے اور اگر نماز رد ہوگئی تو دوسرے نیک اعمال بھی رد ہو جائیں گے۔چونکہ اصل ،فرع پر مقدم ہوتی ہے۔ایک روایت کے مطابق امام معصومؑ سے منقول ہے:

"الصَّلٰوۃُ اِن قُبِلَت قُبِلَ مَا سِواھَا وَاِن رُدَّت رُدَّ مَا سِوا ھَا".

اب جبکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک نماز کی اہمیت مسلّم الثبوت ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ آخرت میں فلاح و سعادت نماز کے درست ہونے کی مرہون ہے اور درست نماز کے بغیر انسان کبھی بھی فلاح یافتہ نہیں ہوسکتا۔لہذا نماز اور اس کے احکامات کے صحیح اور درست ہونے کے بارے میں یقین بھی ضروری ہے اور انسان کو توجہ رکھنی چاہیے کہ اس کی نماز اور عبادت شریعت اسلام کے احکامات اور پیغمبر اسلامؐ کی سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔

۲۔ نماز کا توفیقی ہونا

نماز اسلام میں اہم ترین عبادت ہے کہ جس کی اہمیت گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔لیکن انتہائی افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسی اہم ترین فریضہ کے بارے میں بےاعتنائی کا مظاہرہ کیا ہے اور اُنہیں ذرہ بھر پرواہ نہیں کہ وہ اپنی نماز درست انجام دیتے ہیں یا نہیں؟نماز ایک دینی فریضہ اور شرعی عبادت ہے،اور اس کے توفیقی ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہیں۔یعنی؛نماز کے فرائض اور احکامات فقط شارع مقدس کی جانب ہی نازل ہوئے ہیں اور کسی دوسرے کو حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اُن میں رد وبدل کرے۔رسول اکرمؐ کا فرمان ہے:

:صَلُوا کَمَا رَاَیتُمُونِی اُصلِّی۔

یعنی نماز اس طرح پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔لہذا نماز ایک شرعی اور توفیقی حکم ہے اور پیغمبر اسلامؐ خود مامور ہیں کہ وہ اس شرعی عبادت کو انجام دیں اور دوسروں کو بھی اس کی انجام دہی کا طریقہ سکھائیں:

'ثُمَّ جَعَلنٰکَ عَلیٰ شَرِیعَۃٍ مِّنَ الاَمرِ فَاتَّبِعھَا۔[۴]

'پھر تجھے ایک برحق شریعت پر قرار دیا ہے پس اس

کی پیروی کرو۔ پس شریعت کے دستور کے مطابق عمل کرنا سب کا فریضہ ہے۔ حتیٰ پیغمبر اسلامؐ پر بھی شریعت کی پیروی لازم ہے۔ پس عقلاً واجب ہے کہ اسلامی نماز ایک ہی ہیت اور شکل میں ہو اور محال ہے کہ شارع مقدس کی جانب سے نماز جیسی عبادت مختلف انداز میں اور گوناں گوں شکلوں میں نقل ہوئی ہو اور حق تعالیٰ کے حضور قابل قبول ہو۔ اسی طرح محال ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے، جو خود شریعت کے بیان کرنے والے ہیں، مختلف طریقوں سے نماز ادا کی ہو اور نماز جیسی اہم ترین عبادت کی مختلف انداز میں اپنی اُمت کو تعلیم دی ہو۔ جب خود پیغمبر اکرمؐ مسلمانوں کو تاکید فرماتے ہیں کہ نماز اس طرح پڑھنا جس طرح میں پڑھتا ہوں یعنی؛ عبادت الٰہی کے سلسلے میں وہی طریقہ اور روش حق تعالیٰ کو قبول ہے کہ جو میں نے تمہیں سکھایا ہے۔ حتیٰ مسنون دعاؤں میں بھی حکم یہ ہے کہ مسلمان معصومین علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق دعا کریں اور اپنی طرف سے کوئی دعا ایجاد نہ کریں۔ پس نماز میں رسول اکرمؐ کی اطاعت واجب ہے اور پیغمبر اکرمؐ کا یہی فرمان نماز کے توفیقی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ لہذا اگر مسلمان اپنی نماز رسول اکرمؐ کی نماز کے مطابق ادا نہیں کرتے اور نماز کو مختلف انداز میں بجالاتے ہیں تو یقیناً نماز میں وہ رسول اکرمؐ کی اطاعت نہیں کرتے۔ اس وقت نماز کے بارے میں مسلمانوں میں تقریباً اُنیس اختلافات پائے جاتے ہیں۔ جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔ اور یہ اختلاف یقیناً نماز کے باطل ہونے کا سبب ہے۔ اگر مسلمان اپنی نمازوں کی تصحیح نہیں کرتے اور اور اسی فرق کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو یقیناً اس آیہ مجیدہ کے مصداق قرار پاتے ہیں:

﴿وَعَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ☆ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَة''﴾

(وہ جنہوں نے ہمیشہ عمل کیا ہے اور تھک چکے ہیں، دھکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے)۵

اور اُن کی ہر نماز اُنہیں جہنم کی طرف لے جارہی ہے: **﴿قُل هَل نُنَبِّئُكُم بِالاَخسَرِينَ اَعمَالاً ☆ اَلَّذِينَ ضَلَّ سَعيُهُم فِي الحَيٰوةِ الدُّنيَا وَهُم يَحسَبُونَ اَنَّهُم يُحسِنُونَ صُنعاً﴾** ۶۔

''کہہ دو: کیا ہم تمہیں خبر دیں کہ زیادہ خسارے میں کون ہے؟ وہ لوگ جن کی ساری کوششیں دنیوی زندگی میں بھٹک کر رہ گئی ہیں اور اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام انجام دے رہے ہیں''۔

بہرحال ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی نماز کے بارے میں تحقیق کرے کہ آیا وہ اسی طریقے کے مطابق نماز ادا کرتا ہے کہ جو طریقہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا ہے یا وہ نماز جیسی اہم ترین عبادت کو اپنی مرضی، خواہشات اور دوسروں کی اندھی تقلید کے مطابق بجا لا رہا ہے۔ اور یہ مسئلہ انتہائی اہم ہے جس کے بارے میں توجہ ضروری ہے۔

۳۔ مسلمانوں کا نماز کے بارے میں اختلاف

بعض علل واسباب کی وجہ سے مسلمانوں میں نماز کے احکام کے بارے میں کچھ نظری اور عملی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اختلاف تو اہل سنت اور شیعہ مسلمانوں کے درمیان ہیں اور کچھ خود مذاہب اہل تسنن کے درمیان ہیں۔ مسلمانوں کے بڑے دو اہم مذاہب یعنی؛ شیعہ وسنی کے درمیان نماز کے بارے میں دس اہم اختلاف ہیں:

اول:۔ اعضائے وضو کے دھونے کے بارے میں اختلاف کہ اہل سنت ہاتھوں کو نیچے سے اوپر کی طرف دھوتے ہیں۔ جبکہ شیعہ ان کے برخلاف اور فطرت انسان کے مطابق اعضائے وضو کو اوپر سے نیچے کی طرف دھوتے ہیں۔

دوم: پاؤں کے مسح کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہل سنت کے ائمہ فقہ وضو میں پاؤں کے دھونے کو واجب تعینی جانتے ہیں۔ زیدیہ مذہب کے علماء پاؤں کا مسح اور دھونا ہر دو واجب سمجھتے ہیں۔ لیکن کچھ علمائے اہل سنت ان دونوں کو اختیاراً کافی جانتے ہیں جبکہ علمائے امامیہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی پیروی میں وضو میں مسح کو واجب تعینی جانتے ہیں۔

سوم:۔ تکبیر میں رفع یدین کرنا نہ کرنا، شیعہ رفع یدین کرتے ہیں۔ اہل سنت بعض کرتے ہیں بعض نہیں کرتے۔

چہارم:۔ قرائت سورہ میں بسم اللہ کو بلند آواز سے کہنے اور نہ کہنے میں اختلاف۔ شیعہ بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہیں جبکہ اہل سنت بلند پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے۔

پنجم: نماز میں سورہ حمد کی قرائت کے بعد آمین کہنا یا نہ کہنا، بعض اہل سنت کہتے ہیں اور بعض نہیں کہتے۔ جبکہ امامیہ اسے بدعت سمجھتے ہیں۔

ششم:۔ چھٹا اختلاف نماز میں ارسال الیدین اور قبض الیدین کا ہے۔ شیعہ نماز میں ارسال کرتے ہیں اور اسے واجب قرار دیتے ہیں اور اس کے بغیر شیعہ کے نزدیک نماز باطل ہے۔ جبکہ اہل

سنت نماز میں قبض یدین کرتے ہیں یعنی ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہیں۔اور یہی مسئلہ ہمارا موضوع ہے۔جس کے بارے میں آئندہ صفحات میں تفصیل بیان کی جائے گی۔

ھفتم :تشہد یا التحیات۔شیعہ دوسری رکعت میں بیٹھ کر تشہد پڑھتے ہیں اور اہل سنت بھی اسے پڑھتے ہیں اور اسے التحیات کہتے ہیں۔اسی طرح شیعہ دوسرے رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے ہیں اور اہل سنت نہیں پڑھتے۔

ھشتم :۔دونوں کا سلام پھیرنے کا طریقہ مختلف ہے۔اہل سنت سلام دیتے وقت قبلہ سے منہ پھیر لیتے ہیں اور شیعہ اس کو نماز کے باطل ہو جانے کا سبب سمجھتے ہیں۔اور وہ صرف گوشہ چشم کے اشارے سے سلام پھیرتے ہیں۔

نھم :جمع بین الصلوتین کا مسئلہ ہے شیعہ ظہرین اور مغربین کو ملا کر پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ اہل سنت جدا جدا پڑھتے ہیں۔

دھم: اذان اور اقامت میں اختلاف ہے کہ اہل سنت ﴿حی علی خیر العمل﴾ اذان میں نہیں کہتے جبکہ شیعہ اسے اذان و اقامت کا جز سمجھتے ہیں اور اہل سنت صبح کی نماز میں ﴿الصلوۃ خیر من النوم﴾ کہتے ہیں اور شیعہ اسے باطل سمجھتے ہیں۔

۴۔ارسال الیدین از نظر تشیع و تسنن

اختلاف نماز کے منجملہ مسائل میں ایک ارسال الیدین اور قبض الیدین ہے۔ارسال الیدین یعنی؛نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا اور اس کے مقابلے میں قبض یدین یعنی؛ میں نماز ہاتھ باندھنا ہے۔ہمارے فقہاء نے اسے تکتف یا تکفیر سے تعبیر کیا ہے۔(قاموس کے مطابق) کتف بفتح کاف وسکون تاء ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو باندھنا ہے۔(جامع عباسی کی تعریف کے مطابق) ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا کتف کہلاتا ہے۔(شرح لمعہ میں ہے) دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی کلائی پر ناف کے اوپر یا نیچے رکھنا کتف ہے۔امامیہ کے نزدیک اس کا تفصیلی حکم اپنی ادلہ کے ساتھ بعد میں بیان کیا جائے گا۔فی الحال اہل سنت کے نزدیک قبض یدین کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اور دیکھتے ہیں کہ نماز میں تکتف یا تکفیر یا قبض یدین کی کیا حیثیت ہے؛واجب ہے یا مستحب یا مکروہ ہے۔اہل سنت کے فقہی اور روائی کتب سے پتا چلتا ہے کہ نماز میں تکتف یا تکفیر ایک نزاعی مسئلہ ہے۔اور اس مسئلہ میں اُن کے فقہاء میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔یہاں ہم کچھ عبارات نقل کرتے ہیں کہ جن

قبض یدین کے بارے میں اختلاف واضح ہوتا ہے۔

قبض یدین کے بارے میں اھل تسنن کا اختلاف

۱۔علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

﴿وَاجْمَعُوْا عَلیٰ اَنَّهُ یُسَنُّ وَضْعُ الْیَمِیْن عَلیٰ الشِّمَالِ فِی الصَّلٰوةِ اِلّاَ فِیْ رَوَایَةٍ عَنْ مَالِك وَهِیَ الْمَشْهُوْرَةُ اَنَّهُ یُرْسِلُ یَدَیهِ اِرْسَالاً وَقَالَ الْاَوْزَاعِی بِالتَّخِییرواختَلَفُوا فِی مَحَلِّ وَضعِ الیَدَینِ فَقَال اَبُو حَنِیفَةُ تَحتَ السُّرَّةِ وَقَالَ مالِكُ وَالشَافِعِی تَحتَ صَدرَه فَوقَ سُرَّةٍ وَعَن اَحمَدرِوَایتَانِ اَشهَرُ هُماَ هِیَ اللّتِی اَختَا رَهَا الخُزقِی کَمَذهَبِ اَبِی حَنِیفةِ﴾ ۷۔

یعنی؛اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے۔سوائے امام مالک کی ایک روایت کے جو مشہور ہے کہ وہ ہاتھوں کو نماز میں کھلا رکھتے تھے۔اور امام اوزاعی نے کہا ہے کہ نمازی مختار ہے چاہے ہاتھ باندھے چاہے کھولے۔اور محل وضع میں اختلاف ہے۔امام ابو حنیفہ کہتے ہیں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے اور امام مالک وشافعی کہتے ہیں: کہ سینے کے اوپر رکھے اور امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں؛مشہور وہ ہے جس کو حزقی نے اختیار کیا ہے یعنی مذہب ابو حنیفہ کے مطابق ۲۔ صاحب میزان الکبریٰ لکھتے ہیں:

﴿وَمِنْ ذَالِكَ اِتّفَاقُ الْاَئِمَّةِعَلیٰ استحباب وَضَعِ الْیَمِیْنِ عَلیٰ الشِّمَالِ فِی الْقِیامِ وَمَا قَامَ مَقَامَهُ مَعَ قَوْلِ مَالكُ فی اشهرروایات اَنَّهُ یُرْسِلُ یَدَیه ارسال ومع قول الاوزاعی انَّه یَتَخَیَّرُ والاول مَشَدَّدٌ وَالثَّانِی ومابعده مخفف وان تفاوت التخفیف ووجه الاول ان صورة موقف العبد بین یدی سیّده وهو خاص بالاکابر من العلما الاولیا بخلاف الاصاغِرفاِنّ الْاَوْلیٰ لَهُمْ اِرْخاء الیدین کما قال به مالك۔وایضاح ذٰلك انَّ وَضَعَ الیمین عَلیَ الیساریحتاجُ فی مَرَاعاتِهٖ اِلٰی صَرَف الذّهنِ الیه

فيخرحُ بذالك كمال الاقبال ... استحباب وضع اليدين تحت
عَلٰى مُنَاجاة الله عزوجل الذى ... الصدرِ مَعَ ورُوذالك من فعل
هى رُوحُ الصلٰوة وحقيقتها ... فِعُل الشارع كون مَرَاعات
بخلاف ارخائهما بجنبيه ثم ... المصلے ودوامها تحت الصدر
اختلفوا فى محل وَضَعِ اليدين ... يشغله غالبًا من مراعاة كمال
ـ فقالَ ابُوحنيفُه:ـ تحت السَرَّه ... الاقبال على مناجاة الله فكان
وقال مالك والشافعى تحت ... ارسالهما ارجعلهما تحت السرة
صَدْره فوق سُرّته وعَن احمد ... كما قال الاقبال عَلٰى المناجاة و
روايتان اشهر هُما فمذهب ابى ... الحضور مع الله اولٰى من مراعاة
حنيفة واختارها الخرقى ووجه ... هيئة من الهيئَات فمن عَرَفُ من
الاول خفت كونها تحت السرة ... نفسه العجز عن مراعاة كون يديه
على المصلّى بخلاف وضعها ... تحت صدره فى الصلٰوة الّا مع
تحت الصدرفانه يحتاج الٰى ... الغفلة عن كَمَال الاقبال على
مراعاتها لثقل اليدين وتدليها اذا ... الله عزوجل فَارسال يديه بجنبه
طالَ الوقوفُ فرجع الامرُ اِلٰى ... اولى به و صرح الشافَعِيُّ فى الْاُمّ
مرتبتى الميزانِ فلذالِكَ كانَ ... فقال وان ارسلهما وَلَم يَعُبَثُ بها
استحبابُ وضع اليدين تحتِ ... فَلَا باس ومن عَرَفَ من نفسهِ
الصذرخاصاً بالاكابِرِالّذيْن ... الْقُدرةعَلى الجَمْع بين الشيئين
يقدرون علٰى مراعَاةِ الشّيئَين معاً ... مَعًا فِى اٰنٍ واحِدٍ كان وضع يديه
فى اٰن واحدِ دُون الاصاغر ... تحت صَدْرهُ اولٰى وَبذالِك
وسمعت سيدے على الخواص ... يحصل الجمع بَيْنَ اَقْوَال الائمة
بقول وجه قول من قال بعدم ... رضى الله عنهم﴾۸

اورمنجملہ مسائل نماز یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قیام نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مستحب ہے۔حالانکہ امام مالک کا قول مشہور ترین روایات میں سے ہے کہ وہ ہاتھوں کو نماز میں لٹکائے رکھتے تھے۔اور پورے طور سے کھلے رکھتے اور امام اوزاعی کا قول ہے کہ نمازی مختار ہے چاہے ہاتھ کھول کر پڑھے یا باندھ کر ۔پس پہلا قول سخت ہے۔اور دوسرے قول میں تخفیف ہے اگر چہ تخفیف میں تفاوت ہے۔قول اول یعنی ؛باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ عبد کی صورت اپنے رب کے سامنے ایسی ہی ہونی چاہیے۔اور یہ صورت مخصوص ہے اکابر علماء اولیاء کے لئے ۔برخلاف عامہ مومنین کے۔ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ ہاتھ کھلے رکھیں ۔جیسا کہ امام مالک کا مذہب ہے۔اور اس کی توضیح یہ ہے دائیں ہاتھ کے بائیں پر رکھنے سے ذہن بٹا رہتا ہے اور توجہ واخلاص میں کمی آجاتی ہے۔جبکہ اصل روح نماز یہی توجہ الی اللہ یعنی ؛خشوع وخضوع ہے جو نماز کی جان ہے ؛ہاتھ کھلے رکھنے ہی کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔پھر اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں۔امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ زیر ناف رکھے جائیں۔اور امام مالک اورامام شافعی کا کہنا ہے کہ سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھے جائیں۔امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں۔مشہور وہ ہے جو امام ابو حنیفہ کے موافق ہے اور اسی کو خرقی نے اختیار کیا ہے۔زیر ناف ہاتھ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہاتھ رکھنے سے نمازی پر بوجھ نہ پڑے گا۔برخلاف اس کے اگر سینے پر ہاتھ رکھے جائیں تو نمازی کو ہر وقت ان کے سنبھالنے کا خیال رہے گا کیونکہ ہاتھ خود بھاری چیز ہے۔اور فطرتاً نیچے لٹکنا چاہتا ہے۔جبکہ دیر تک قیام رہے تو اب میزان کے دونوں طرف رجوع کرنا پڑا اس لئے سینے کے نیچے ہاتھ رکھنا اکابر علماء واولیاء کے لئے مستحب ہوا جو دونوں ہاتھوں کو سنبھالنے اور توجہ قائم کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ادنیٰ درجے کے مسلمانوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے کہ دونوں باتوں کا خیال رکھیں۔میں نے سید علی الخواص سے سنا ہے۔وہ فرماتے تھے کہ جو اس کے قائل ہیں کہ سینے کے نیچے ہاتھ نہ رکھنے چاہیں حالانکہ یہ فعل شارع سے ثابت ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ سینے پر ہاتھ رکھنے سے رجوع قلب حاصل نہیں ہوتا۔جبکہ اصل رجوع اور حضور قلب ہی ہے ۔اس لئے ہاتھوں کا کھولنا یا ناف کے نیچے رکھنا ہی

بہتر ہوا کسی اور ہیت سے۔ پس جو شخص توجہ الی اللہ اور ہاتھوں کے سنبھالنے سے عاجز ہو تو اس کے لئے ہاتھوں کا کھولنا ہی مناسب ہے اور اسی کی امام شافعی نے کتاب الام میں تصریح فرمائی ہے اور کہا ہے اگر ہاتھ کھلے رکھے اور اُن سے کھیلے نہیں تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں اور جو اپنے اندر دونوں باتوں کی قدرت پاتا ہے کہ ہاتھ باندھے بھی رہیں اور توجہ بھی قائم رہے تو اس کے لئے زیر صدر ہاتھ باندھنے ہی بہتر ہیں اور اس سے اقوال ائمہ میں جمع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے''۔

۳۔نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: **وعن مالك رحمه الله روايتان احداهما يضعهما تحت صدره والثانية يرسلهما ولا يضع اِحداهما على الاُخرى و هذه رواية جمهور اَصحابه وهى الاَشهر عند هم**۔۹۔ یعنی'' امام مالک سے دو روایت نقل ہوئی ہیں ایک یہ کہ ہاتھ کو سینہ کے نیچے رکھیں دوسری یہ کہ ہر دو ہاتھ کھلے رکھیں اور ہاتھ کے اوپر ہاتھ نہ رکھیں۔اور یہی قول جمہور اصحاب کا ہے اور یہی اُن کے نزدیک مشہور ترین قول ہے۔اس کے بعد نووی پھر لکھتے ہیں:

وعن مالك رحمه الله اَيضاً استحباب الوضع فى النفل والارسال فى الفروض۔۔۔ یعنی امام مالک سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ نافلہ نماز میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے اور واجب میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھے۔۔۔''۱۰۔۴۔مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحیٔ میں آیا ہے: مذہب امام مالک میں ارسال الیدین عزیمت اور قبض یدین فقط رخصت ہے۔۱۱ان عبارات واختلافات سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں

۱۔تمام علمائے اہل سنت کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔اور اصول فقہ میں مستحب کا مطلب واضح ہے یعنی؛ ایسا فعل کہ جس کا انجام دینا ثواب رکھتا ہے لیکن اس کے ترک کرنے پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔اور یہ مکروہ کی ضد ہے پس علمائے اہل سنت کے نزدیک اگر کوئی بغیر ہاتھ باندھے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہے۔

۲۔امام مالک ارسال الیدین کے قائل ہیں۔اور یہ اُن کا مشہور مذہب ہے اسی لئے تمام مالکی حضرات نماز میں ارسال الیدین کرتے ہیں۔

۳۔امام اوزاعی تخییر کے قائل ہیں۔یعنی؛ اُن کے نزدیک ہر دو عمل (قبض وارسال) جائز ہیں۔

۴۔امام شافعی بھی نماز میں ارسال الیدین کو جائز جانتے ہیں۔

۵۔ان عبارات میں تصریح کی گئی ہے کہ ہاتھ باندھ کرنماز پڑھنا ،نمازی کے لئے سخت ہے اور ارسال الیدین سہل ہے ۔اور ہم قائل ہیں کہ شریعت محمدیہ ؐشریعت سہلہ ہے۔اوراس قول کے مطابق نماز میں ارسال الیدین ،شریعت کے مطابق ہے۔

۶۔نیز یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ ہاتھ باندھ کرنماز پڑھنا ،حضور قلب اور خشوع وخضوع کے خلاف ہے ۔اور ارسال الیدین کے ساتھ نماز رجوع قلب کےموافق ہے

۷۔ان عبارات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اکابر علماء واولیاء کے لئے قبض یدین بہتر ہےلیکن عام مسلمانوں کے لئے ارسال الیدین ہی بہتر ہے۔

۵۔ قبض یدین کی روایات اور علمائے رجال کی جرح

۱۔ حدثنا قُتَيبَةُ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَص مِنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ عن قَبِيْضةَ بنِ هُلْبٍ عَنْ أبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُؤَمَّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ☆۱۲۔

قتیبہ نے ابوالاحوض سے اُس نے سماک بن حرب سے اس نے قبیضہ بن ہلب سے اوراس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے حضرت رسول اللہ ؐہم لوگوں کی امامت کرتے تھے پس بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ سے پکڑلیا کرتے تھے۔

جرح :عن سفيان : انه ضعيف ، وقال جرير الضبى :اتيت سماكا فرايته يبول قائماً،فرجعت ولم اساله،وقال احمد (بن حنبل): سماك مضطرب الحديث،وقال النسائى :اذاانفرد بأصل لم يكن بحجة۔

اس روایت میں سماک بن حرب ہےاوراس کے بارے میں سفیان ثوری کہتے ہیں :وہ ضعیف تھا اورجریر ضفی کا کہنا ہے:میں سماک کے پاس گیا،میں نے دیکھاوہ کھڑے ہوکر پیشاب کررہا تھالہذا میں لوٹ آیا اوراس سے کچھ نہیں پوچھا۔اورامام احمد بن حنبل کہتے ہیں : سماک مضطرب الحدیث تھااورامام نسائی نے کہا ہے کہ،جس حدیث میں کوئی اورموید نہ ملتااس سے حدیث نقل نہیں کرتے تھے ۔[۱۳]

۲. حدثنا محمد بن

محبوب حَدَّثَنَا حَفص بن غياثٍ عن عبدالرَّحمٰن بن اسحَقَ عن زِيَادِ بن زِيدٍ عن أبی جُحِيفَةَ اَنَّ عَلِيًّارضی الله عنه قَالَ مِنْ السُّنَّةِ وَضْعُ الكَفِّ فِی الصَّلَاةِ تَحت السُّرةِ☆۱۴

محمد بن محبوب نے حفص بن غیاث سے اور اس نے عبدالرحمٰن بن اسحاق سے اور اس نے زیاد بن زید اور اس نے ابوجحیفہ سے نقل کیا ہے کہ علیؓ نے فرمایا: ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔(ناف کے نیچے)

جرح :اس روایت میں محمد بن محبوب، قدری مذہب تھا اور حفص بن غیاث نقل حدیث میں بہت غلطی کیا کرتا تھا اور عبدالرحمٰن بن اسحاق کو سب نے غیر معتبر کہا ہے۔احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہ تھے اس کی روایتیں بیہودہ ہوتی تھیں۔لوگ اس سے حدیثیں نہیں لیتے تھے ان کے غیر معتبر ہونے پر سب نے اتفاق کیا ہے۔۱۵

۳۔ محمد بن قدامه يعنی ابن أعين عن ابی بَدرٍ عن أبی طالوت عبدالسَّلام عن ابن جَريرٍ الضَّبيّی عَنْ أبِيهِ قَالَ رَأيْتُ عَلِيًّارضی الله يَمْسِكُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ عَلَی الرَّسْغِ فَوْقَهِ السُّرةِ☆۱۶

محمد بن قدامہ نے ابو بدر سے، اس نے ابو طالوت سے، اس نے ابن جریر ضبی سے اس نے اپنے باپ جریر سے روایت کی ہے کہ میں نے علی کو دیکھا کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ سے ناف کے اوپر پکڑا کرتے تھے۔

جرح :اس روایت کے راوی ابو بدر شجاع بن ولید کو ابو حاتم نے لین الحدیث کہا ہے یعنی اُن کی حدیثیں ضعیف ہوتی تھیں اور کہا ہے کہ یہ اچھے آدمی نہیں تھے۔ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔۱۷

۴. نَصْر بن علی أخبَرنا أبُوُ أحمَدَ عَنْ العَلَاءِ بن صَالِحٍ عَنْ رُزْعَةَ بن عَبدالرحمن قال سَمِعْتُ ابن الزُّبَيْرِ يقول ضُفُّ القَدَمَيْنِ وَ وَضْعُ اليَدِ عَلَی اليَد مِنَ السُّنَّةِ☆ ۱۸

نصر بن علی نے ابو احمد سے، اُس نے علا بن صالح سے اس نے زرعہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ ہم نے عبداللہ بن زبیر کو کہتے سنا ہے کہ قدموں کو برابر رکھنا اور ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا سنت ہے۔

جرح: اس روایت کا راوی نصر بن علی متہم ہے

اور ابو احمد مجہول ہے ۔اور ناپسندیدہ روایات نقل کرتا تھا۔علا بن صالح بھی غلط روایات نقل کرتا تھا۔ زرعہ کی حدیثیں باطل ہوتی تھیں۔[۱۹]

اس کے علاوہ یہ روایت پیغمبر اکرمؐ سے نقل نہیں ہوئی ہے بلکہ ابن زبیر کی اپنی رائے ہے حالانکہ نقل ہو چکا ہے کہ ابن زبیر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے ۔لہذا یہ روایت خود ابن زبیر کے عمل کے خلاف ہے۔اور جب راوی کا عمل ہی روایت کے مخالف ہوتو اس کا عمل قابل اعتماد ہوتا ہے نہ اس کا قول۔[۲۰]

۵. حدثنا محمد بن بَكَّارِ بن الرَّيَّانِ عَنْ هُشَيْمِ بن بَشِيْرٍ عن الحجاج بن ابی زینَبَ عن أبی عُثْمٰانُ النَّهدِیَّ عن ابن مسعودٍ أنَّـهُ كَانَ يُصَلِّیّ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى الْيُمْنَى فَرَآهُ النَّبُّی صلی الله فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى☆۲۱۔

محمد بن بکار بن ریان نے ہیثم بن بشیر سے اُس نے حجاج بن ابی زینب سے اس نے ابو عثمان ہندی سے روایت کی ہے کہ ابن مسعود بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھ کر نماز پڑھ رہے تھے تو سرور عالمؐ نے اُن کا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔

جرح: اس روایت کا راوی محمد بن بکار مجہول ہے اور ہشیم تدلیس کرتا تھا ، سفیان ثوری کا کہنا ہے: ان سے روایت نقل نہیں کرنی چاہیے۔حجاج کو امام احمد بن حنبل و امام نسائی و دار قطنی نے غیر معتبر کہا ہے۔ [۲۲]

۶۔ حدثنا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُالْواحِدِ بن زِيٰادٍ عَنْ عبدالرحمٰنِ بن اسحَقَ الكوفِیِّ عن سَيَّارٍ أبی الحَكَمِ عَن أبی وَائِلٍ قال قال أبُوهُرَيْرَةَ أخْذُالْأَكُفَّ فی الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَةِ☆ قال ابو داود : سمعت احمد بن حنبل يضعف عبد الرحمان ابن اسحاق الكوفی. [۲۳]

"مسدد نے عبدالواحد بن زیاد سے، اس نے عبد الرحمٰن بن اسحاق سے اور اس نے سیار ابوالحکم سے اور اس نے ابووائل سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ نے کہا : ہاتھ کو ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا چاہیے ۔ابو داود کا کہنا ہے: میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے کہ اُنہوں نے عبدالرحمان ابن اسحاق کوفی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جرح: اس کا راوی 'مسدد' حدیثوں میں بے پروائی کیا کرتا تھا اور عبدالواحد تدلیس کیا کرتا تھا ۔اور عبدالرحمٰن بن اسحاق کی بے اعتباری کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔۲۴

نیز یہ روایت، قول پیغمبرؐ نہیں ہے بلکہ قول ابو ہریرہ ہے اور اس کا قول حجت نہیں۔

۷. أبوثَوبَةَ حَدَّثنَا الْهَيْثُم يعنى ابن حميدٍ عن ثَورٍ عن سَلَيْمَانَ بن مُوسَى عن طَاوُسٍ قال كَانَ رسول الله صلى الله يَضَعُ يَدُهُ اليَمْنَى على يَدَهِ اليُسرَى ثُمَّ يَشَدُّ يَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَ هُوَ فى الصَّلاةِ☆۲۵۔

ابوثوبۃ نے ھیثم ابن حمید سے اور اس نے محمد ابن حمید سے اس نے ثور سے، اس نے سلیمان بن موسیٰ سے اور اس نے طاوس سے روایت کی ہے کہ پیغمبر داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر رکھتے تھے۔

جرح: اس کے راوی کو خود ابوداود نے قدری مذہب کہا ہے اور ابومسہر غسانی نے قدری اور غیر معتبر کہا ہے اور محمد بن حمید کو امام ابن حجر مکی نے تقریب میں غیر معتبر لکھا ہے۔اور امام ذہبی لکھتے ہیں: کہ یہ غیر معتبر اور نہایت درجہ جھوٹے تھے اور حدیثوں میں تصرف کیا کرتے تھے اور حدیثیں چُرایا کرتے تھے۔اس سے جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔ ۲۶

۸. حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن اَبى حازم عن سهل بن سعد قال كان الناس يومرون اَن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى فى الصلاة،قال اَبو حازم لا اَعلمه اِلا ينمى ذلك اِلى النبى اللّٰه صلى الله عليه وسلم ۔۔۔۲۷۔

عبداللہ بن مسلمہ نے امام مالک سے اور اس نے ابو حازم سے اور اس نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز گذار، کو چاہیے کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔ابو حازم کا کہنا ہے: جہاں تک میں جانتا ہوں اس میں حضرت رسولؐ کی طرف اشارہ ہے۔

جرح: یہ روایت دو وجہ سے بے اعتبار ہے: ایک تو یہ کہ امام مالک جو اس روایت کے راوی ہیں خود اس کے خلاف عمل کرتے تھے۔یعنی امام مالک ارسال الیدین کرتے تھے اور اُن کا یہ عمل مشہور ہے۔۔علامہ محدث عبدالقادر قرشی حنفی لکھتے ہیں:''

جب راوی کا عمل اس کی روایت کے مخالف ہو تو اس کا عمل معتبر ہے نہ اس کی روایت۔ ۲۸

دوم یہ کہ بظاہر یہ روایت قول پیغمبرؐ نہیں ہے بلکہ دوسروں کا فتویٰ ہے کہ جسے سہل بن سعد نے نقل کیا ہے اور ابو حازم نے جو خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ پیغمبر کی طرف اشارہ ہے ؛ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ چونکہ حدیث کو حسی ہونا چاہیے نہ حدسی۔ اس کے علاوہ روایت میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ملتا کہ یہ پیغمبرؐ کی طرف اشارہ ہے۔

امامیہ کے نزدیک نماز کی حالت میں کتف یا تکفیر یا قبض یدین (ہاتھ باندھنا) نماز کے باطل ہو جانے کا موجب بنتا ہے۔ فقط ایک صورت میں تکفیر جائز ہے اور وہ ہے تقیہ کی صورت۔ یعنی انسان تقیہ کی حالت میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور اس مسئلہ کے بارے میں امامیہ فقہا کے اقوال انتہائی صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں پر چند قول نقل کیئے جاتے ہیں۔

اور اس کے بعد ارسال الیدین کی ادلہ نقل کی جائیں گی اقوال فقہا شہید اول لمعہ میں شرائط نماز کے ذیل میں چھٹی شرط کے ضمن میں کہ جو نماز میں ترک ہونے والی چیزوں کے بارے میں ہے؛ لکھتے ہیں: "والتکتف اِلاّ لتقیة" ۲۹

شہید ثانیؒ اس مسئلہ کی شرح میں لکھتے ہیں: "**و هو وضع اِحدی الیدین علی اُخری بحائل و غیره فوق السُرة و تحتها علیه و علی الزند۔۔۔**" ۳۰

شیخ طوسیؒ النھایہ میں لکھتے ہیں: "**ولا یجوز التکفیر فی الصلاة ، فمن کفر فی صلاته مع الاختیار فلا صلاة له ۔فان فعله لِلتقیة والخوف ،لم یکن به باس۔** ۳۱

اسی طرح شیخ کتاب الخلاف میں لکھتے ہیں :**لایجوز ان یضع الیمین علی الشمال،ولا الشمال علی الیمین فی الصلاة لا فوق السرة ، ولا تحتها۔وقال الشافعی وابوحنیفة و سفیان واحمد واسحاق وابوثور وداؤد:ان مع الیمین علی الشمال مسنون مستحب.....فقالت لامیامة:ان صلاته باطلة، فوجب بذلك الأخذ بالجزم۔ وروی حریز عن رجل عن ابی جعفر علیه السلام قال:قلت له"فصل لربك**

وانحر"،وقال: "النحر الاعتدال فی القیام ان یقیم صلبه، وقال:لاتکفر انما یصنع ذلك المجوس"۔ وروی محمد بن مسلم عن أحد هما علیه السلام قال: قلت له الرجل یضع یده فی الصلاة الیمنی علی الیسری، فقال:"ذلك التکفیر لاتفعله"۔۳۲؎

صاحب جواہرؒ شرح کلمات شرایع میں لکھتے ہیں:

والقسم (الثانی لا یبطلها) اِلا فعله (عمداً) اختیارا(وهو)اموراحدها :(وضع الیمین علی الشمال)المسمی فی النصوص و کتب بعض الاصحاب بالتکتیف والتکفیر من العلج للملك بمعنی وضع یده علی صدره والتطامن له،و الظاهر اَنه لا حقیقة له شرعیة و ان کان قد یوهمه بعض العبارات ،نعم ما تسمعه من الحکم الشرعی له اِنما وه علی کل بعض اَفراده لا مطلق الخضوع و التطامن ۔۔۔۔و علی کل حال فالمشهور بین الاصحاب نقلاً و تحصیلاً بل فی الخلاف و الغنیه والدروس وعن الانتصار الاجماع علیه عدم جوازه فی الصلاة ،بل لا اَجد فیه خلافاً اِلا من الاسکافی فجعل ترکه مستحباً،و اَبی الصلاح ففعله مکروهاً،واختاره المصنف فی المعتبر للاجماع المحکی المعتضد بالتتبع۔۳۳؎

امام خمینیؒ تحریرالوسیلہ میں لکھتے ہیں:

ثانیها۔التکفیر،وهو وضع الیدین علی الاخری نحوما یصنعه غیرنا،وهو مبطل عمداً علی الاقوی لا سهواً،واِن کان الاحوط فیه الاعادة ولا باس به حال التقیة۔۳۴؎

آیت اللہ العظمیٰ خوئیؒ لکھتے ہیں:

الثامن :التکفیر ،وهو وضع احد الیدین علی الُاخری ،کما

یتعارف عند غیرنا،فانه مبطل للصلاة اذااَتی به بقصد الجزئیة من الصلاة واما اذالم یقصد به الجزئیة بل اَتی به بقصد الخضوع والتادب فی الصلاة ففی بطلان الصلاة به اشکالو الاحوط وجوباً الاتمام ثم الاَعادة،نعم هوحرام حرمة تشریعیة مطلقاً،هذا فیما اذا وقع التکفیر عمداً وفی حال الاختیار۔واما اذاوقع سهواً اَو تقیةً۔۔۔فلا باس به۔[۳۵]

وضاحت فقہائے امامیہ کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ چیزوں میں کہ جو نماز میں ترک ہونی چاہیں ایک کتف یا تکفیر ہے ۔کتف (بروزن کِذب) ہے۔اور وہ ایک ہاتھ کا دوسرے ہاتھ پر رکھنا ہے یا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ہے یا بقول شہید ثانیؒ دونوں ہاتھوں میں سے ایک کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی کلائی پر ناف کے اوپر یا نیچے رکھنے کا نام کتف ہے ۔اسے تکفیر بھی کہتے ہیں ۔اور یہاں اس سے خدا کی خاطر تواضع کی نیت سے نماز میں ہاتھ کو ہاتھ کے اوپر رکھنا مراد ہے۔جیسا اہل سنت کرتے ہیں ۔اسے تکفیر کیوں کہتے ہیں ؟چونکہ لغت میں کسی کے سامنے سر جھکانے کو تکفیر کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کا وہی معنیٰ ہے جو کتف کا ہے۔

ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں کہ وہ کس طرح رکھا جائے خواہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر ہو یا ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی کلائی پر ہو ۔نیز اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ ناف کے اوپر ہاتھ باندھے جائیں یا ناف کے نیچے چونکہ روایت میں تکفیر کی تعبیر اختیار کی گئی ہے او روہ ان تمام کیفیات کو شامل ہے۔یعنی نماز میں تکفیر جس طرح بھی ہو اس سے نہی کی گئی ہے۔تقیہ کی صورت میں تکفیر کا حکم فقہای امامیہ نے تقیہ کی صورت میں نماز میں تکفیر کو جائز قرار دیا ہے۔یعنی ؛اگر تقیہ کی شرائط پائی جائیں تو انسان ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ سکتا ہے جیسا کہ شہید اول فرماتے ہیں:" **اِلاّ لتقیة** " او رشیخ طوسیؒ نے فرمایا ہے:

" فان فعله لِلتقیة والخوف ،لم یکن به باس"۔

اورامام خمینیؒ فرماتے ہیں:

"ولا باس به حال التقیة"۔

چونکہ کتف اہل سنت انجام دیتے ہیں اور اُن کے

نزدیک مستحب ہے لہذا ہمارے فقہا نے تقیہ کی صورت میں اسے جائز قرار دیا ہے البتہ اسی حد تک کہ جس سے تقیہ انجام پا جائے نہ اس سے زیادہ یعنی اگر ایک رکعت میں ہاتھ باندھنے سے تقیہ رفع ہو جاتا ہے اور دوسری رکعت میں تقیہ کی ضرورت نہیں رہتی تو اسی پہلی رکعت میں ہی ہاتھ باندھنے چاہیں دوسری میں تکفیر جائز نہیں۔۳۶

ادلہ مسئلہ ادلہ خاص: اس مسئلہ میں جو اہم ترین ادلہ بیان کی گئی ہیں وہ اجماع اور احادیث و روایات ہیں۔

اجماع: صاحب جواہر نے تکفیر کی حرمت کے بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے کسی کو اس مسئلہ میں مخالف نہیں دیکھا:

و علی کل حال فا لمشهور بين الاصحاب نقلاً و تحصيلاً بل فی الخلاف و الغنيه والدروس وعن الانتصار الاجماع عليه عدم جوازه فی الصلاة ،بل لا اَجد فيه خلافاً اِلا من الاسكافی فجعل تركه مستحباً،و اَبی الصلاح ففعله مكروهاً،واختاره المصنف فی المعتبر للاجماع المحكی المعتضد بالتتبع۔۳۷

احادیث و روایات:

ادلہ چہارگانہ میں سے اس مسئلہ کی اہم ترین دلیل روایات واحادیث ہیں ۔لہذا وسائل الشیعہ میں ایک مستقل باب بعنوان:

عدم جواز التكفير وهو وضع اليدين على الأُخرىٰ فی الصلاة

قائم کیا گیا ہے ہم یہاں بطور نمونہ چند روایات نقل کرتے ہیں۔

۱۔مَحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بِإِسْنَادِهِ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍعَنْ صَفْوَانَ وَفَضَالَةَ جَمِيعاً عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ مَحَمَّدُ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَحَدِ هِمَاع قَالَ قُلْتُ الرَّجُلُ يَضَعُ يَدَهُ فِي الصَّلَاةِ وَحَكَى الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَقَالَ ذَلِكَ التَّكْفِيرُ لَا تَفْعَلْ۔۳۸

۲۔ مَحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ بِالإِسْنَادِ السَّابِقِ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍع قَالَ وَعَلَيْكَ بِالإِقْبَالِ عَلَى صَلَاتِكَ اِلَى أَنْ قَالَ وَ لَا تَكَفَّرْ فَإِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ الْمَجُوسُ ۔ ۳۹

٣۔ وَعَنْ مَحَمَّدُ بْنِ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مَحَمَّدٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حَرِيْزٍ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع فِي حَدِيثٍ قَالَ وَ لَا تَكَفَّرْ اِنَّمَا يَصْنَعُ ذَلِكَ الْمَجُوسُ۔ ٤٠؎

٤۔ عَبْدَاللهِ بْنُ جَعْفَرٍفِي قُرْبِ الاِسْنَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ جَدِّهِ عَلِيّ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ أَخِي قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ع وَضْعُ الرَّجُلِ اِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى فِي الصَّلَاةِ عَمَلٌ وَلَيْسَ فِي الصَّلَاةِ عَمَلٌ۔

٥۔ وَرَوَاهُ عَلِيّ بْنِ جَعْفَرٍ فِي كِتَابِهِ نَحْوَهُ وَزَادَ وَ سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَكُونُ فِي صَلَاتِهِ أَيَضَعُ اِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى بِكَفِّهِ أَوْ ذِرَاعِهِ قَالَ لَا يَصْلُحُ ذَلِكَ فَإِنْ فَعَلَ فَلَا يَعُودُلَهُ۔ ٤١؎

٦۔ مَحَمَّدُ بْنَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْن فِي الْخِصَالِ بِاِسْنَادِهِ عَنْ عَلِيٍّ ع فِي حَدِيثِ الْأَرْبَعِمِائَةِ قَالَ لَا يَجْمَعُ الْمَسْلِمُ يَدَيْهِ فِي صَلَاتِهِ وَهُوَ قَائِمٌ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ يَتَشَبَّهُ بِأَهْلِ الْكُفْرِ يَعْنِي الْمَجُوسَ۔ ٤٢؎

روایات کا خلاصہ

ان روایات میں نماز کی حالت میں تکفیر کی نہی کی گئی ہے اور اس عمل کو مجوس اور کفار سے تشبیہ دی گئی ہے لہذا ان روایات کے مطابق فقہائے امامیہ نے نماز میں تکفیر کو حرام جانا ہے ، کیونکہ عبادت میں نہی ،عبادت کے فاسد ہونے کا موجب بنتی ہے۔

ادلہ عام:

بعض علماء نے صلوٰۃ وعبادات کے باب میں مسئلہ تکتف کو روایات کے علاوہ دوسری ادلہ سے بھی رد کیا ہے؛ بعنوان تائید چند ادلہ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

١۔ فطرت کا تقاضا

حکیم علی الاطلاق (خداوند متعال) نے اشرف مخلوقات یعنی انسان کو پیدائش کے وقت کھلے ہاتھوں کے ساتھ خلق کیا ہے اور یہ قانون فطرت اس بات کی دلیل ہے کہ ہر حال میں حتیٰ عبادت میں بھی انسان اپنے ہاتھوں کو کھلا رکھے مگر یہ کہ کسی خاص دلیل سے اس بات کے برعکس ثابت ہوجائے

٢۔اجماع مسلمین

ہم نے اس سے پہلے اجماع امامیہ کو نقل کیا ہے لیکن

ارسال الیدین ،اجماع مسلمین سے بھی ثابت ہے۔چونکہ ارسال الیدین کا مسئلہ نہ فقط ادلہ امامیہ سے ثابت ہے بلکہ اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں بھی ایسے قوی شواہد موجود ہیں کہ جن سے ارسال الیدین کا جواز ظاہر ہوتا ہے۔جیسا کہ تمام مالکی حضرات نماز میں ارسال الیدین کرتے ہیں ۔۴۳اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد علامہ محمد معین لاہوری کتاب ''دراسات اللبیب''میں لکھتے ہیں :''تمام اہل مدینہ نماز میں ارسال الیدین کرتے تھے اور اجماع اہل مدینہ حجت ہے ۔چونکہ اہل مدینہ کے مقابلے میں غیر اہل مدینہ کی غیر صحیح روایات کچھ بھی قیمت نہیں رکھتیں۔۴۴

۳۔روایات و اقوال اہل تسنن در جواز ارسال الیدین اہل سنت کی معتبر کتابوں میں ایسی روایات اور اقوال بھی نظر آتے ہیں کہ جو ارسال الیدین کے جواز کی حکایت کرتے ہیں اور جن سے قول امامیہ کی تائید ہوتی ہے ۔جن کتابوں میں یہ اقوال اور روایات نقل ہوئی ہیں ؛ذیل میں اُن میں سے چند ایک کے نام ذکر کیئے جاتے ہیں:

۱۔دراسات اللبیب ،علامہ محمد معین دہلوی ،چاپ لاہور،ص۳۴۰،۳۴۱،سال ۱۸۶۸م۔

۲۔میزان الکبریٰ ،علامہ شعرانی ،باب صفۃ الصلوۃ،ص۱۴۱،۱۳۰الی ۱۳۸۔

۳۔شرح کنز الدقائق،قسمت اول ،باب صفۃ الصلوۃ،ص۱۳۱۔

۴۔شرح صحیح مسلم ،نووی ،ج ۱،ص۱۷۳ چاپ لکھنو۔

۵۔عینی شرح کنز الدقائق،ص۲۵۔

۶۔نیل الاوطار ،علامہ شوکانی ،ج ۶،ص۵۶،۵۷۔

۷۔فتاویٰ مولانا عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی ،ج۱،ص۷۶،۲۵۳۔

۸تسہیل القاری شرح صحیح بخاری،باب صلاۃ

۹۔مصنف ابن ابی شیبہ،باب صلوۃ۔

۱۰۔فتح الباری شرح صحیح بخاری ج۱،ص ۴۰۶۔ج۲،ص۱۷۸

حوالہ جات

	سورہ نساء،آیت ۱۰۳
	سورہ بقرہ،آیت ۴۵
	فیۃ البحار،مادہ صلوٰۃ
	سورہ الجاثیہ،آیت ۱۸
	سورہ الغاشیہ،آیت ۳،۴
	سورہ الکہف،آیت ۱۰۳،۱۰۴

	فی اختلاف الائمۃ،ص۳۸،طبع مصر۔	27	جواہر مضیہ، ج۲،ص۴۲۷، چاپ دکن
	میزان الکبریٰ، ج۱،ص۱۲۵	28	متن اللمعۃ الدمشقیۃ،ص۳۱
	شرح مسلم ج۴،ص۱۱۴	29	شرح اللمعۃ الدمشقیۃ، ج۱،ص۲۳۵
10	ایضاً	30	النھایہ۔ص۷۳
11	مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی، ج اول،ص۱۸۶	31	الخلاف،ص۳۲۱
12	میزان الاعتدال، ج۲،ص۳۲۳،ش۳۵۴۸۔	32	جواہر الکلام، ج۱۱،ص۱۵
13	سنن ابوداؤد، ج۱،ص۱۷۵، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ	33	تحریر الوسیلہ، ج۱،ص۱۵۸
14	میزان الاعتدال، ج۲،ص۵۴۷،ش۴۸۱۱، ج۱،ص۵۶۷ش۲۶۰	34	منھاج الصالحین، ج۱،ص۱۹۳
15	سنن ابوداود، ج۱،ص۱۷۶ باب وضع الیمین	35	ردک اللمعۃ الدمشقیۃ، ج۱،ص۲۳۵
16	میزان الاعتدال، ج۳،ص۲۶۴،ش۳۶۶۸	36	جواہر الکلام، ج۱۱،ص۱۵
17	سنن ابوداود، ج۱،ص۱۷۵، باب وضع الیمین علی الیسری	37	وسائل الشیعۃ، ج۷،ص۲۶۶
18	میزان الاعتدال، ج۴،ص۲۵۲،ش۹۰۳۹	38	وسائل الشیعۃ، ج۷،ص۲۶۶
19	جواہر مضیہ، ج۲،ص۴۴۷، چاپ دکن	39	وسائل الشیعۃ، ج۷،ص۲۶۶
20	سنن ابوداود، ج۱،ص۱۷۵، باب وضع الیمین	40	وسائل الشیعۃ، ج۷،ص۲۶۶
21	میزان الاعتدال، ج۳،ص۴۹۲،ش۷۲۷۶ نیز ج۔۱،ص۴۶۲	41	وسائل الشیعۃ، ج۷،ص۲۶۷
22	سنن ابوداود، ج۱،ص۱۷۵، باب وضع الیمین	42	میزان الکبریٰ، ج۱،ص۱۳۸، شرح کنز الدقائق، باب صلوۃ ص۳۱
23	میزان الاعتدال، ج۴،ص۹۶،ش۸۴۵۴، ج۲،ص۶۷۲،	43	دراسات اللبیب،ص۳۴۲
24	سنن ابوداود، ج۱،ص۱۷۵، باب وضع الیمین		
25	میزان الاعتدال، ج۴،ص۳۲۱،ش۹۲۹۸		
26	صحیح البخاری، ج۱،ص۲۵۹، باب وضع الیمنی علی الیسری		

ما خذ و مدارك

	اسلامی نماز،علامہ محمد سبطین سرسوی،البرہان بک ڈپو،لاہور،بی تا
	تحریرالوسیلہ،مکتبہ اعتماد الکاظمین،تہران،۱۴۰۷ھق ما
	الخلاف،شیخ الطائفۃ ابی جعفر محمد بن الحسن بن علی الطّوسی ،موسسۃ النشر الاسلامی،قم،بی تا۔
	جواھر الکلام،الشیخ محمد حسن النجفی،دارالکتب الاسلامیہ،آخوندی،الطبعۃ الثالثۃ،۱۳۶۷ش
	جواہر مضیہ،علامہ محدث عبدالقادر قرشی حنفی،دکن،بی تا
	دراسات اللبیب،مولانا محمد معین دہلوی،لاہور،بی تا
	الروضۃ البھیۃ فی شرح اللمعۃ الدمشقیۃ شہید ثانی،چاپخانہ علمیہ،قم،۱۳۹۵ھ
	سنن الترمذی محمد بن عیسی الترمذی،دارالفکر ،بیروت،۱۴۰۳ھ
	سنن اَبی داود،سلیمان بن الاشعث السجستانی، دارالفکر،بیروت،الطبعۃ الاولی،۱۴۱۰ھ(۱۹۹۰ء)
10	صحیح البخاری،محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری الجعفی، دارابن کثیر،الیمامۃ،بیروت،۱۴۰۷ھ الطبعۃ الثالثۃ۔
11	صحیح مسلم بشرح النووی ،النووی،دار الکتاب العربی ،بیروت،الطبعہ الثانیہ،۱۴۰۷ھ۔
12	مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی،چاپ لاہور،پاکستان،بی تا۔
13	متن اللمعۃ الدمشقیۃ،شہید اولؒ،کانون انتشارات ناصر،قم
14	منہاج الصالحین،السید الخوئی،الطبع الثامنۃ والعشرون،۱۴۱۰ھ،مہر قم
15	میزان الاعتدال فی نقد الرجال،ابی وعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذھبی،دارالمعرفۃ،بیروت
16	النھایۃ،شیخ الطائفۃ ابی جعفر محمد بن الحسن بن علی الطّوسی،،انتشارات قدس محمدی،قم،بی تا۔
17	نیل الاوطار من احادیث سید الاخیار،محمد بن علی بن محمد الشوکانی،دارالجلیل،بیروت،بی تا۔
18	وسائل الشیعہ ،شیخ حر عاملی،قم،اہل بیت لاحیاء التراث ۱۴۱۴ھ

دعائے **ندبہ** اسناد اور تعلمیات کی روشنی میں

حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی

دُعا اور اس کی اھمیت

دعا کے لغوی معنیٰ بلانے اور پکارنے کے ہیں اور اصطلاح میں دعا کا مطلب اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں طلب کرنا اور اس کی طرف توجہ کرنا ہے۔ دعا انسان کی فطری ضرورت ہے انسان جب اپنے اندر غور کرتا ہے وہ اپنے آپ کو محتاج اور نیازمند پاتا ہے۔ اب یہ کس سے اپنی حاجتوں اور ضروریات کو پورا کرنے کا سوال کرے اللہ تعالیٰ کے سوا سب محتاج ہیں۔ لہذا اب انسان کو اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرنا چاہیے او راُسی سے ہی اپنی حاجتیں طلب کرنی چاہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ "(۱)

اے انسان تم سب اللہ کے محتاج اور فقیر ہو اور اللہ بے نیاز اور قابل حمد وثنا ہے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا ہے۔

"وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ"(۲)

اللہ بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

انسان جتنا اپنے اندر اللہ تعالی کی نسبت محتاجی کا احساس کرے گا تو وہ دعا کے ذریعے اتنا زیادہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔ ضرورت اور اضطرار کے وقت انسان اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور انسان کا اللہ تعالی سے یہ رابطہ طبیعی اور فطری ہے۔ اس کے برعکس جتنا انسان اپنے آپ کو بے نیاز محسوس کرتا ہے وہ خدا سے دُور ہوتا ہے اور اس سے روگردانی کرتا ہے اور سرکش ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید اس مطلب کو یوں فرماتا ہے۔

"کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی۔ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی"

(۳) بیشک انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز خیال کرتا ہے۔

اسلام نے دعا کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اس بارے میں قرآن اور حدیث میں کئی اہم نکات اور مطالب کا تذکرہ ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

''وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْ اِلٰی

وَلْيُؤْمِنُوْبِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْ شُدُوْنَ ''(۴)
جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں، پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب پکارتا ہے۔لہذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان و اعتماد رکھیں۔شاید اس طرح راہ راست پر آجائیں۔اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالی کو پکارتا ہے اس سے دعا کرتا ہے تو وہ سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے یہ امر بندوں کو دعا کی ترغیب دلاتا ہے۔اگر چہ دعا انسان کا اپنے رب سے اپنی حاجتوں کا طلب کرنا ہے لیکن اسے عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔اور اس سے روگردانی کو تکبر اور سرکشی سے تعبیر کیا گیا ہے۔قرآن فرماتا ہے۔

''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ''(۵)

اور تمھارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور یقیناً جو لوگ میری عبادات سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔اس آیت میں عبادات سے مراد دعا ہے اس کے بارے میں صحیحہ زرارہ میں امام باقرؑ فرماتے ہیں

''هو الدعا و افضل العبادة الدعا''

''اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے اور دعا بہترین عبادت ہے'' دعا یعنی بندے کا اپنے آپ کو اللہ تعالی کے سامنے پیش کرنا ہے اور یہی روح عبادت ہے۔عبادت انسان کی غرض خلقت ہے۔عبادت کی قدر و قیمت یہ ہے کہ یہ انسان کو اس کے رب سے مربوط کر دیتی ہے۔عبادت میں اللہ تعالیٰ سے قصد قربت ہی اصل جوہر ہے اس کے بغیر عبادت، عبادت ہی نہیں ہے۔عبادت اصل میں اللہ تعالی کی طرف حرکت ہے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔انسان کا اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونا اس سے براہ راست مستحکم رابطہ ہے دعا کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو اس سے زیادہ انسان کو اللہ تعالی سے قریب کر سکتی ہو۔سیف تمار فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا۔ آپؑ نے فرمایا **''عليكم بالدعاء فانكم لا تتقر بون بمثله''**

(۷) تمہیں دعا کی تاکید کرتا ہوں، خدا کے قریب کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔دعا نہ صرف عبادت ہے بلکہ روح عبادت ہے حضرت

رسول خداؐ نے فرمایا"**الـــدعـــا مـــخ العبادۃ ولا یھلك مع الدعا احد**" دعا روح عبادت ہے دعا کے ہوتے ہوئے کوئی بھی ہلاک نہیں ہوتا۔(۸)

دعا کی افادیت کا ایک اور پہلو جو مذکورہ آیت میں بیان ہوا ہے یہ کہ اس کے قبول ہونے کی ضمانت دی گئی ہے فرمایا "**ادعـونـی استجب لـکـم**" 'مجھ سے دُعا کرو میں قبول کروں گا۔(۹) جب انسان کو قبولیت کا وعدہ دیا گیا ہے تو سر کش اور بد بخت کے علاوہ کوئی اس سے روگردانی نہیں کرے گا۔قرآن کریم میں پروردگار نے اپنی بارگاہ میں حاضری کے لیے اپنے بندوں کے سامنے چار راستے رکھے ہیں جن میں دعا سب سے اہم راستہ ہے۔(۱۰) ارشاد الٰہی ہے:

"**قُلْ مَا یَعْبَؤُبِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ**"

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمہاری پروا بھی نہ کرتا (۱۱) یہ آیت بتا رہی ہے کہ دعاوں کی وجہ سے اللہ تعالی اپنے بندوں پر نظر کرم فرماتا ہے بلکہ پروردگار عالم اپنے بندے کی دعا کا مشتاق ہوتا ہے۔امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"**ان اللہ عزوجل لیُوخّر اجابۃ المومن شوقا الی دعا ئہ یقول صوتا احبّ ان اسمعہ**"(۱۲)

اللہ تعالی مومن کی دعا کے شوق سے اسے دیر سے مستجاب کرتا ہے اور فرماتا ہے مجھے یہ آواز پسند ہے۔حضرت علیؑ نے فرمایا: "**احب الاعما ل الی اللہ عزوجل فی الارض الدعاء**" 'زمین پر اللہ کا سب سے پسندیدہ عمل دعا ہے۔(۱۳)

دعا دو طرح سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گھری ہوتی ہے اللہ کی طرف سے دعا کی توفیق اور پھر اس کی قبولیت یہ دونوں اللہ کی رحمت کے دروازے ہیں۔جو بندے کے لیے دعا کرنے سے پہلے اور دعا کرنے کے بعد کھلتے ہیں۔رسول خداؐ سے مروی ہے:

"**من فتح لہ منکم باب الدعا فتحت لہ ابواب الرحمۃ**"(۱۴)

تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل جائے اس کے لیے ابواب رحمت کھل جاتے ہیں۔دعا کی اہمیت میں اس وقت اور اضافہ ہوجاتا ہے۔جب ہم قرآن مجید میں مختلف انبیاءعلیہم السلام کی دعاؤں کو ملاحظہ کرتے ہیں ان دعاؤں سے جہاں خدا کی ان برگزیدہ ہستیوں کے مقام عبودیت کا

پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کرنے والے اور گڑگڑانے والے تھے وہاں ہمیں دعاؤں کا سلیقہ اور ادب وآداب بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کی دعا ہے

''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

''(۱۵)ان دونوں نے کہا کہ پروردگار ! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اب اگر تو معاف نہ کرے اور رحم نہ کرے گا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے ۔قرآن مجید کے علاوہ کتاب مقدس کے عہد قدیم میں کتاب زبور دعاء و مناجات پر مشتمل ہے ۔دین اسلام میں دعاؤں کی اہمیت و افادیت کئی پہلوؤں سے اجاگر ہوتی ہے ۔ہادیان برحق آئمہ معصومینؑ نے نہ صرف ان دعاوں کے ذریعے سے اپنے رب سے راز و نیاز اور مناجات کی ہیں بلکہ توحید سے متعلق اعلیٰ معارف کو ان دعاؤں کے قالب میں بیان کیا ہے ۔ان کے ذریعے سے انہوں نے لوگوں کو ہدایت کی ہے ۔جب آئمہؑ پر ہر قسم کی پابندی تھی تو انہوں نے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی انہی دعاؤں کے ذریعے کی ہے ۔آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی دعاؤں کا ایک عظیم ذخیرہ دین اسلام کے پاس موجود ہے ۔ اس ذخیرے میں چودہ معصومینؑ کی اپنی دعا و مناجات جو وہ اپنے رب سے کرتے تھے اور وہ دعا ئیں جو انہوں نے مختلف مواقع پر اپنے اصحاب کو تعلیم فرمائی ہیں شامل ہیں ۔امیر المومنینؑ علیؑ کی منا جات اور دعائیں ہوں جیسے دعائے کمیل یا امام حسینؑ کی دعائیں جیسے دعائے عرفہ یہ سب کی سب علم و معرفت کا عظیم خزانہ ہیں اور معرفت الٰہی کو اپنے کمال تک پہنچاتی ہیں ۔دعاؤں کے اس سلسلہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کا مجموعہ صحیفہ کاملہ اپنی مثال آپ ہے ۔اسے زبور آل محمد اور انجیل اہل بیتؑ بھی کہا جاتا ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے اس کے حکیمانہ ارشادات و بصائر موثر ادعیہ و اوراد اور دل نشین حکم و نصائح آسمانی صحفیوں کے اسلوب کے آینہ دار اور ان کی تعلیمی روح کے حامل ہیں ۔ چنانچہ صاحب ریاض السالکین نے بعض اہل عرفان کا یہ قول نقل کیا ہے ۔

'انها تجری مجری التنزیلات السماویة وتسیر مسیر الصحف الوحیة والعرشیة''(۱۶)

صحیفه کامله

آسمانی کتابوں کے اسلوب اور عرش و لوح کے صحیفوں کی کاش کا مکمل نمونہ ہے''اس ذخیرے میں

باقی آئمہؑ کی دعاؤں کے علاوہ حضرت حجۃ ابن الحسن امام صاحب العصرالزمانؑ کی دعائیں بطور خاص موجود ہیں۔امام زمانؑ کے متعلق دعائیں دو قسم کی ہیں۔ایک وہ دعائیں جوآپؑ سے نقل کی گئی ہیں۔دوسری وہ دعائیں جوآپ کے بارے میں دیگر اماموں سے روایت کی گئی ہیں۔ایسی دعاؤں کی تعداد بہت زیادہ ہےان میں سے چندایک یہ ہیں۔

۱۔ امام صادقؑ کی دعا (۱۷)۔

۲۔ دعائے غریق (۱۸)۔

۳۔ ماہ مبارک رمضان میں واجب نمازوں کے بعد دُعا(۱۹)

۴۔دعائے عہد صغیر(۲۰) ۔

۵۔دعائے عہد (۲۱)۔

۶۔دعائے نیمہ شعبان (۲۲)۔

۷۔ نماز عصرکے بعد کی دعا (۲۳)

۸ ۔دُعائے ندبہ

آئمہ معصومینؑ کی دعائیں اگرایک طرف آل محمدؐ کی فصاحت و بلاغت کی آئینہ دار ہیں تو دوسری طرف ان کی خصوصیات اور ذاتی کمالات کی بھی ترجمان ہیں۔چنانچہ ان دعاؤں کے پرتو میں انکی حیات طیبہ کےنقوش کو دیکھا جاسکتا ہے۔دعاؤں کی اسی اہمیت کے پیش نظر آئمہؑ کے اصحاب آئمہؑ سے مروی ادعیہ کومحفوظ کرنے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔آئمہ ہدیٰؑ اپنے اصحاب سے دعاؤں کے سلسلے میں جو کچھ وصیت فرماتے وہ ان کو لکھنے کے بڑے پابند تھے ۔ سید رضی الدین علی بن طاووس کتاب ''مہج الدعوات'' میں امام موسی بن جعفرؑ سے منسوب دعائے ''جوشن صغیر'' کونقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظمؑ کے صحابی ابو وصاح محمد بن عبداللہ بن زید النھشلی نے اپنے والدعبداللہ بن زید سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ امام موسیٰ کاظمؑ کے خاندان کے افراد اوران کے شیعوں پر مشتمل ایک خاص گروہ تھا جو امام علیہ السلام کی مجلس میں اپنے ساتھ غلاف میں بڑی نرم و نازک آبنوس کی تختیاں لے کر حاضر ہوا کرتے تھا جب بھی آپ اپنی زبان مبارک سے کوئی جملہ ارشادفرماتے یا کوئی حکم بیان کرتے تو یہ افراداُسے لکھ لیا کرتے تھےاسی بنیاد پرعبداللہ نے کہا ہم نے آپ کو دعا میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔اوراس سلسلے میں مشہورومعروف دعا''جوشن صغیر''امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کی ہے۔(۲۴)اہل بیتؑ سے مروی دعاؤں کا عظیم ذخیرہ اور گرانبا سرمایہ احادیث وروایات کی کتب میں موجود ہے۔ان سب کا بنیادی ماخذ وہ چارسو بنیادی کتب ہیں۔

جنہیں امام صادقؑ کے باوثوق اور قابل اعتماد شاگردوں نے تحریر کیا انہیں ''اصول اربعماۃ'' کہا جاتا ہے۔اہل بیتؑ کا یہ عظیم علمی ورثہ جوان اصول اربعماۃ پر مشتمل تھا ان ہی میں دعاؤں کی کتب بھی شامل تھیں زمانے کے حالات اور ظالم وستمگر حکمرانوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا اور جب طغرل بیگ نے بغداد پر حملہ کیا اور متعدد کتب خانے جلادیے گئے تو اس عظیم علمی سرمایے کے ایک بڑے حصے سے ہم محروم ہو گئے ۔اس کے باوجود کچھ کتب خانے محفوظ بھی رہے ان میں شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسیؒ اور ان کے استاد محترم شریف مرتضیٰ کا کتاب خانہ قابل ذکر ہیں۔اس حوالہ سے محقق بزرگ طہرانی اپنی کتاب الذریعہ میں تحریر کرتے ہیں''من جملہ دعائیہ اصول'' دعاؤں کی بنیادی کتب جو اصول اربعماۃ میں شامل تھیں' جو شاہ پور کتاب خانہ میں یا خاص عناوین کے تحت موجود تھے۔ یاقوت حموی کی تشریح کے مطابق سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے لیکن ان میں سے جو کچھ ذاتی طور پر دوسروں کے پاس موجود تھے محفوظ رہ گئے ۔ادعیہ،اذکار اور زیارتیں ہم تک اسی طرح پہنچی ہیں جس طرح ان اصول میں ذکر تھیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب خانہ کے جلائے جانے سے چند ین سال پہلے متعدد علمائے اعلام نے ادعیہ، اعمال اور زیارتوں کی کتابیں تالیف کی تھیں اور جو کچھ ان ادعیہ اصول میں موجود تھا اسے اخذ کرلیا تھا۔(۲۵) ان اصول سے تالیف کی گئیں کتابیں کتاب خانے کے جلائے جانے سے پہلے جس طرح موجود تھیں وہ بعد میں بھی موجود رہیں اور آج تک موجود ہیں جیسے۔ شیخ یعقوب کلینیؒ وفات ۳۲۹ھ کی کتاب''الدعا'' شیخ قولویہ وفات ۳۶۰ھ کی کتاب 'کامل الزیارات' ،شیخ صدوقؒ وفات ۳۸۱ھ کی کتاب'الدعا اوالمزار'،شیخ مفیدؒ وفات ۴۱۲ھ کتاب 'المزار' اور شیخ کراجکی وفات ۴۴۹ھ کی کتاب'روضۃ العابدین'۔(۲۶)

وہ دعائیہ مصادر جوان قدیمی اصول سے اخذ کیے گئے ان میں سے کتاب''مصباح المتہجد'' جو شیخ الطائفہ ابوجعفرؒ وفات ۴۶۰ھ ہجری کی تالیف ہے انہوں نے ۴۰۸ھ میں بغداد میں آنے کے بعد ان قدیم اصول کو اخذ کیا جو کتاب خانہ شاہ پور اور کتاب خانہ شریف مرتضٰی میں موجود تھیں۔انہوں نے احادیث احکام کے سلسلے میں ''تہذیب الاحکام''اور استبصار تالیف کیں اور دعا و اعمال کے بارے میں''مصباح المجتہد'' کے عنوان سے کتاب تحریر کی ۔(۲۷) ان کے علاوہ دعاؤں کے کچھ

ایسے ماخذ ومصادر بھی ہیں جو ساتویں ہجری تک محفوظ رہے اور کرخ بغداد میں شاہ پور کتاب خانے کے جلنے سے بچ گئے اور وہ سید رضی الدین ابن طاوؤس (وفات ۶۶۴ھ) کے ہاتھوں میں آئے ۔وہ اپنی کتاب کشف المحجہ جسے انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے تحریر کیا۔اس کی بیالیسیوں فصل میں لکھتے ہیں : اللہ تعالیٰ عزوجل نے مجھے تمھارے لیے متعدد کتابیں لکھنے کا موقع فراہم کیا۔۔۔اور اللہ سبحانہ نے مجھے ''دعوات'' کی ساٹھ جلدوں سے زیادہ جلدیں تحریر کرنے کی توفیق دی ہے ۔جب ابن طاوؤس نے کتاب مہج الدعوات تحریر کی تو ان کے پاس دعاؤں کی ستر سے زیادہ کتابیں موجود تھیں۔اور یہ انکی زندگی کی آخری کتاب ہے۔ ایک اور کتاب ''الیقین'' میں وہ لکھتے ہیں میں نے اپنی زندگی کی اس آخری کتاب کو اس وقت تحریر کیا جب میرے پاس دعاؤں کی ستر کتابیں موجود تھیں۔(۲۸)جب ابن طاوؤس نے دعاؤں کے سلسلے میں اپنی بڑی کتاب ''اقبال الاعمال'' تحریر کی تو جبعی کے بقول ان کے پاس اپنی پندرہ سو کتابیں موجود تھیں اور یہ ۶۵۰ھ کی بات ہے جب ابن طاوؤس اقبال الاعمال لکھ کر فارغ ہوئے۔

احادیث ہوں یا دعائیں اصحاب آئمہ اور علماء اعلام نے انہیں نقل کرنے میں خاص اہتمام کیا ہے۔شیخ بہائی کتاب ''الشمسین'' میں بیان کرتے ہیں ہمارے بزرگوں سے یہ بات ہم تک پہنچی ہے کہ اصحاب اصول کی یہ عادت تھی کہ وہ جب بھی کسی امام سے کوئی حدیث سنتے تھے تو وہ اس حدیث کو اپنے اصول میں درج کرنے کے لیے سبقت کرتے تھے کہ کہیں وقت گزرنے کے ساتھ پوری حدیث یا اس کا کچھ حصہ فراموش نہ کر دیں۔(۲۹)لہذا یہ اصول علماء کے نزدیک موردو ثوق تھے جب بھی وہ ان سے کوئی روایت نقل کرتے تھے تو اس کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے تھے اور اس پر اعتماد کرتے تھے معصومینؑ سے مروی احادیث اور مأثورہ دعاؤں کے صدور کو ثابت کرنے کے لیے محدیثن اور فقہائے اسلام نے متعد د اصول بیان کیے ہیں ۔جن کی بنیاد پر احادیث اور دعاؤں کی سند کو جانچا جاتا ہے اور اسے غیر صحیح روایات سے تشخیص دیا جاتا ہے۔انہی منقولہ دعاؤں میں سے ایک ''**دعائے ندبہ**'' ہے جس میں غیبت امام زمانؑ پر اظہار افسوس اور حجت الٰہی سے جدائی اور دوری پر نالہ فریاد اور گریہ وزاری ہے علاوہ ازیں حاجات کو بھی پیش کیا گیا ہے ۔غیبت امام زمانؑ میں اس کی

اہمیت بہت زیادہ ہے۔ پوری دنیا میں اس دعا کو پڑھا جاتا ہے۔ لہذا اس کی سند بھی معصوم علیہ السلام سے ہے اس کے صدور اور مروی ہونے کے حوالے سے تحقیق کی گئی ہے۔ تا کہ اس پر اعتماد اور اطمینان میں اضافہ ہو۔ دُعاے ندبہ کو جن بزرگ علما اور محدثین نے نقل کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

1: شیخ جلیل القدر ثقہ ابوجعفر بن حسین بن سفیان بنروفری نے کتاب ''الدعا'' میں نقل کیا ہے۔(۳۰)

2: شیخ جلیل القدر ثقہ ابوالفرج محمد بن علی یعقوب بن اسحاق بن ابی قرہ قانی جو شیخ نجاشی کے معاصر ہیں نے اسے نقل کیا ہے۔(۳۱)

3: شیخ محمد بن مشہدی نے ''المزار'' میں محمد بن ابی قرہ سے اور انہوں نے ابوجعفر محمد بن حسین بن سفیان بنروفری سے بیان کیا ہے اور انہوں نے اسے امام زمان علیہ السلام سے نسبت دی ہے(۳۲)

4: سید بن طاوؤس نے ''مصباح الزائر اور اقبال الاعمال'' میں بعض اصحاب کے ذریعے محمد بن علی بن ابی قرہ سے اور انہوں نے محمد بن حسین بن سفیان بنروفری سے نقل کرتے ہوئے اس دعا کو امام زمان علیہ السلام کی طرف نسبت دی ہے(۲)

5: علامہ مجلسیؒ نے اسے ''بحار الانوار'' اور کتاب ''زاد المعاد'' میں اس دعا کو بیان کیا ہے ''زاد المعاد'' میں وہ فرماتے ہیں کہ دعائے ندبہ جو کہ عقائد حقہ اور غیبت امام زمانؑ پر اظہار افسوس اور حزن و ملال پر مشتمل ہے۔ معتبر سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے نقل ہوئی ہے (۳۴)

دعا کی سند

اس دعا کی دو سند ذکر ہوئی ہیں۔

پہلی سند : کو سید ابن طاوؤس نے اپنی کتاب ''مصباح الزائر'' میں بیان کیا ہے وہ ذکر کرتے ہیں **''ذکر بعض اصحابنا قال محمد بن علی بن ابی قرہ نقلت من کتاب محمد بن الحسین بن سفیان البزوفری قدس سرہ دعا الندبہ وذکر انہ الدعاا لصاحب الزمان صلوٰت اللہ علیہ و یستحب ان ید عا بہ فی الاعیاد الاربعۃ وھو ---(۳۵)**

ہمارے بعض اصحاب نے بیان کیا ہے کہ دعائے ندبہ کو محمد بن علی ابی قرہ نے محمد بن الحسین بن سفیان البزوفری قدس سرہ کی کتاب سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دُعا صاحب الزمان علیہ السلام کے لیے ہے اور مستحب ہے کہ اسے چاروں عیدوں

(جمعہ،قربان،فطر،غدیر) کے دن پڑھا جائے
دوسری سند اس سند کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں نقل کیا ہے جو مختلف کتب روائی میں ذکر ہوئی ہے'' قال محمد بن المشھدی فی المزار الکبیر: **قال محمد بن ابی قرۃ : نقلت من کتاب ابی جعفر محمد بن الحسین بن سفیان البنروفری ۔۔۔۔۔**(۳۶) محمد بن مشھدی نے اپنی کتاب'' مزار کبیر'' میں تحریر کیا ہے کہ محمد بن ابی قرّہ نے کہا ہے کہ ابوجعفر محمد بن حسین بن سفیان بزوفری کی کتاب سے نقل ہوا ہے ۔ان دو اسناد میں ایک فرق بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ پہلی سند میں جو کمزوری نظر آرہی ہے وہ دوسری سند میں نہیں ہے جناب مشھدی بلا واسطہ کہتے ہیں کہ محمد بن علی ابی قرہ نے بیان کیا ہے کہ دعائے ندبہ جناب بزوفری کی کتاب سے منقول ہے جبکہ پہلی سند میں سید ابن طاوؤس فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب نے یوں کہا ہے۔اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ علامہ مجلسیؒ دونوں اسناد کو بیان کرنے کے بعد یوں اظہار کرتے ہیں میرا گمان ہے کہ سید ابن طاوؤس نے بھی اس دعا کو جناب مشھدی سے نقل کیا اور بعض اصحاب سے مراد جناب مشھدی ہیں البتہ ایک اور بات بھی ہے اگر سید ابن طاوؤس نے دعاے ندبہ کو جناب مشھدی کے ذریعے نقل کیا ہے تو ایک اشکال سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ جناب سید دعا کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں'' **ثم صل صلاۃ الزیارۃ وقد تقدم وصفھا تم تدعو بما احببت فانک تجاب ان شاالله تعالی**''(۳۷)

اس کے بعد جس طرح پہلے بیان ہوا ہے نماز زیارت بجالاو اور پھر جوتم چاہو، مانگو ان انشااللہ تعالی حاجتیں قبول ہوں گی ۔جبکہ جناب مشھدی کی کتاب'' مزار'' میں اس نماز زیارت کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ خود سید ابن طاوؤس نے اپنی کتاب اقبال الاعمال (۳۸) میں دعائے ندبہ کے بعد اس نماز کا تذکرہ نہیں کیا اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جناب سید ابن طاوؤس نے اپنی کتاب مصباح الزائر میں نماز زیارت کو بطور رجاء بیان کیا ہے بہر حال اہل فن کے نزدیک جو سند زیادہ معتبر ہے وہ محمد بن مشھدی کی سند ہے جس کے بارے میں ہم مزید بحث کریں گے سب سے پہلے ہم کتاب'' مزار کبیر'' کا تعارف کراتے ہیں۔

کتاب مزار کبیر:۔محمد بن مشھدی کی یہ کتاب رسول خداؐ اور ان کی پاک وطاہر آل کے

بارے میں منقولہ زیارتوں پر مشتمل ہے علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں اس کتاب کو ''مزار کبیر'' کے نام سے یاد کیا ہے(۳۹)

جس طرح علامہ طہرانی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الذریعہ'' میں بیان کیا ہے(۴۰) اور'' مستدرک الوسائل'' کے خاتمے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کو محدث نوری نے اپنی کتاب مستدرک الوسائل کے ماخذ میں سے قرار دیا ہے(۴۱) مزار کبیر کے مقدمے کی عبارت سے واضع ہوتا ہے کہ جناب مشہدی نے اس کتاب میں فقط انہی روایات کو نقل کیا ہے جو سند کے اعتبار سے قابل اعتماد اور موثق راویوں سے منقولہ تھیں(۴۲) اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ سید ابن طاوؤس قدس سرہ نے نہ صرف اس کتاب کو مورد اعتماد قرار دیا ہے۔ اور اس سے بہت ساری باتیں نقل کی ہیں بلکہ اس کی مدح وستائش بھی کی ہے(۴۳)

محمد بن مشھدی کا تعارف

معجم الرجال میں آیت اللہ ابو القاسم خوئی کی عبارت سے جو انہوں نے شیخ حرّ عاملی سے نقل کی ہے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ محمد بن مشہدی، محمد بن علی بن جعفر ہیں (۴۴) جبکہ محدث نوری مستدرک الوسائل کے خاتمے میں اس بارے میں لکھتے ہیں کہ محمد بن مشہدی سے مراد محمد بن جعفر بن علی جعفر المشہدی ہیں جنہیں ''حائری'' کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے وہ ان افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے ابوالفضل شاذان بن جبریل قمی سے روایت نقل کی ہے اور ابوالفضل سے دو واسطوں سے شیخ مفید سے روایتیں نقل کی ہیں (۴۵) بہرحال محمد بن شہدی سے مراد ان دونوں میں سے کوئی بھی ہوں (محمد بن علی بن جعفر یا محمد بن جعفر بن علی بن جعفر المشہدی) یہ شخصیت قابل اعتماد، مورد وثوق واطمینان اور جلیل القدر ہیں جن کی توصیف اور مدح کتب رجال میں بیان ہوئی ہے(۴۶)

محمد بن ابی قرہ کا تعارف :۔

ان کے بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ کتاب مزار کبیر کے مصنف کے مورد اعتماد راویوں میں سے ہیں نجاشی نے ان کے بارے میں یوں کہا ہے:**محمد بن علی بن یعقوب اسحاق بن ابی قرہ ابو الفرج القنائی الکاتب کان ثقة و سمع کثیراً و کتب کثیرا و کان یو ردق لا صحابنا و معنا فی المجالس له کتب منها :کتاب عمل یوم الجمعه کتاب عمل**

الشھود کتاب معجم رجال ابی المفضل ،کتاب التھجد ، اخبرنی و اجازنی جمیع کتبہ ''(۴۷) محمد بن علی بن یعقوب اسحاق بن ابی قرہ ابوالفرج القنائی جن کا لقب ''کاتب'' ہے ثقہ اور مورد اعتماد شخص ہیں کہ ان سے سنی ہوئی اور تحریری چیزیں بہت زیادہ باقی ہیں وہ ایسے شخص تھے کہ کتابوں کا ایک ایک ورق اصحاب امامیہ کے لیے پڑھتے تھے وہ ہمیشہ محافل و مجالس میں ہمارے ساتھ ہوتے تھے ان کی کتابوں میں سے کچھ یہ ہیں :عمل یوم الجمعہ۔ علم الشھور، معجم رجال ابی المفضل اور کتاب التھجد ۔نجاشی مرحوم آخر میں فرماتے ہیں کہ محمد بن ابی قرہ مجھ سے روایت نقل کی ہے اور مجھے اپنی تمام کتب کو آگے نقل کرنے کی اجازت دی ہے اس عبارت سے اور خاص طور پر ''**کان یوردق لا صحابنا و معنافی المجالس** ''کے جملے سے واضح ہوتا ہے ''جمیع کتبہ'' سے بھی واضح ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس ابن ابی قرہ کی کتابوں کو نقل کرنے کا اجازہ بھی تھا۔اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرر چہ یہ دونوں ہستیاں ایک دوسرے کی ہمعصر ہیں لیکن چونکہ جاشی کے پاس ابن ابی قرہ کی کتب نقل کرنے کا اجازہ تھا اس لحاظ سے وہ نجاشی کے مشائخ (استاد) میں حساب ہوتے ہیں۔

محمد بن حسین بن سفیان البزوفری

جس طرح آیت اللہ خوئی قدس سرہ نے اپنی کتاب معجم الرجال میں بیان کیا ہے کہ اس شخص کا ذکر دو طرح سے ہوا ہے۔(۴۸)ا:۔محمد بن حسین بن سفیان البز وفری ابو جعفر ۔۲۔ محمد بن حسین البز وفری،ابوجعفر یہ احمد بن ادریس کے شاگردوں میں سے تھے اور ان سے روایات نقل کی ہیں محمد بن نعمان یعنی شیخ مفیدؒ نے محمد بن حسین بن سفیان بزوفری سے روایت نقل کی ہے لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شیخ مفید کے مشائخ (استاد) میں سے تھے اگر چہ محمد بن حسین بن سفیان بزوفری کے بارے میں رجال کی کتب میں کوئی خاص توثیق نہیں آئی ہے لیکن اس لحاظ سے کہ یہ ان افراد میں سے تھے جن سے شیخ مفیدؒ نے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں اور مختلف موارد میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے رضا اور رحمت طلب کی ہے بغیر کسی شک وتردید کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ توثیق کے عمومی قواعد،ان کو بھی شامل ہوتے ہیں کیونکہ بزرگوں نے فن رجال کے ماہرین سے جو قواعد بیان کیے ہیں ان میں سے ہے کہ اگر کوئی مشہور و معروف شخصیت ہو اس

نے بہت زیادہ روایات بھی نقل کی ہوں اور دوسری طرف اس کے بارے میں قدح اور تضعیف بھی بیان نہ ہوئی تو یہی امر اس کے حُسن ظاہر اور اس کے ثقہ ہونے کی علامت قرار پائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص گمنام نہیں ہے بلکہ مشہور و معروف ہے پس اگر ماہرین رجال اس کے حوالے سے کوئی عیب یا نقص جانتے تو وہ ضرور بیان کرتے۔پس ثابت ہوا کہ اس دعا کا سلسلہ سند مورد اطمینان اور قابل اعتماد ہے۔

''**انہ الدعا لصاحب الزمان**ؑ'' کی شرح ابن بزوفری دعائے ندبہ کو نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:۔''**انہ الدعا لصاحب الزمان صلوت الله علیه ویستجب ان یدعی بہ فی الاعیاد الا دبعة**۔...' (۴۹) یہ حضرت صاحب الزمانؑ کی دعا ہے اور مستحب ہے کہ اسے چار عیدوں (عید الفطر،عید قربان،عید غدیر،اور جمعہ) کے دن پڑھا جائے غور وفکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ

''**انہ الدعالصاحب الزمان صلوات الله علیه** ''

کے جملے کے بارے میں دو احتمال ہیں۔

ا۔ یہ دعا ایسی دعا ہے جو امام زمانہؑ سے صادر ہوئی ہے۔

۲۔ یہ دعا ایسی دعا ہے جو امام زمانؑ کے لیے صادر ہوئی ہے نہ یہ کہ یہ آپؑ کی طرف سے بیان ہوئی ہے۔ابن بزوفری مزید فرماتے ہیں ''**ویستحب ان یدعی فی الاعیاد الا ربعة**''

یعنی اس کا چار عیدوں کے دن پڑھنا مستجب ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ بزوفری کی نظر میں یہ دعا امام معصومؑ کے علاوہ کسی اور سے صادر نہیں ہوئی کیونکہ اصحاب امامیہ کبھی بھی کسی ایسی دُعا کے متعلق جو غیر معصوم کی دُعا ہو، یہ نہیں کہتے کہ مستحب ہے کہ اسے فلاں وقت پر پڑھا جائے لہذا چند قرائن کی بنا پر یہ احتمال باطل ہے کہ یہ دعا کسی غیر معصوم سے نقل ہوئی ہے یعنی کسی شیعہ عالم کی دُعا ہے۔

ا۔بیان ہوا ہے کہ ''**یستجب**''مستحب ہے۔اس دعا کا پڑھنا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معصوم کی طرف سے جاری ہونے والی دعا ہے کیونکہ کسی بھی فعل یا ذکر پر احکام خمسہ (واجب ،حرام ،مکروہ ،مستحب،مباح) کا حکم لگانا امور توقیفیہ میں سے ہے جو صرف اور صرف معصوم ہی انجام دے سکتا ہے۔

۲۔اس دعا کے پڑھنے کے لیے خاص وقت 'اعیاد اربعہ' بیان ہوا ہے اور غیر معصوم کی دُعا کبھی اس

خصوصیت کی حامل نہیں ہو سکتی۔
۳۔علماء کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ جب بھی کسی دعا یا زیارت کو وہ خود بناتے اور بیان کرتے تو اس کی وضاحت کر دیتے تا کہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو۔
مثال کے طور پر شیخ صدوقؒ ''**من لا یحضرہ الفقیہ**'' میں حضرت فاطمہ زہرؑا کی ایک زیارت بیان کرتے ہیں جو ان کی اپنی طرف سے تھی ،زیارت نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اسے سفر حج میں مدینہ میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی قبر کے پاس پڑھا لیکن میں نے اسے اس صورت میں روایات میں نہیں پایا۔(۵۰)
یا سید بن طاؤس اپنی کتاب الاقبال الاعمال میں لکھتے ہیں۔ یہ فصل ہے ان کے بارے میں جسے ہم نے خود بنایا ہے یہ دعا ہے جو کھانا کھاتے وقت ہم ذکر کریں گے''(۵۱) وہ مزید لکھتے ہیں جو کچھ شوال کے چاند دیکھنے کے وقت ذکر کیا گیا ہے اسے ہم نے کتاب ''عمل الشعر'' میں اس دعا کے ساتھ ذکر کیا ہے جسے ہم نے خود بنایا ہے اور یہ دعا تمام مہینوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔(۵۲) اسی طرح اور موارد میں بھی جہاں دعایں ان کی اپنی جانب سے ہوتی تھیں وہاں انہوں نے اس طرح کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔(۵۳) ابن مشہدی کتاب ''المزار'' میں بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنی اس کتاب میں فنون زیارات سے ایسی روایات جمع کی ہیں جو قابل اعتماد اور ثقہ راویوں کے ذریعے سادات سے متصل ہیں۔(۵۴)
اگر''**انہ الدعا لصاحب الزمانؑ** سے مراد خود صاحب الزمانؑ کی دعا ہو تو پھر اس صورت میں اسے امامؑ کی توقیعات میں شمار کریں گے جو بزوفری کے لیے جاری ہوئی۔اب سوال یہ پید اہوتا ہے کہ یہ دعا کس معصوم امامؑ سے نقل ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر واضح نہیں ہے۔کہ یہ دعا کس امام سے بیان ہوئی ہے ابن بزوفری کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعا امام زمانؑ سے بیان ہوئی ہے اب اس صورت میں ابن بزوفری نے کس طرح آنحضرتؐ کی جانب سے اسے نقل کیا ہے تو اس بارے میں دو احتمال ہیں۔اوّل یہ کہ یہ دُعا حضرت صاحب الامرؑ کی توقیعات میں سے ہے جو ابن بزوفری کے لیے صادر ہوئی جیسا کہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کے لیے توقیعات صادر ہوئی ہیں چونکہ ان کا زمانہ غیبت صغرٰی کے نزدیک ہے۔
دوّم یہ کہ بزوفری نے اس دعا کو اپنے والد حسین بن علی بن سفیان سے نقل کیا ہے جو کہ چوتھی صدی ہجری کے بڑے بڑے علماء اور راویوں میں سے

تھے وہ نواب اربعہ کے واسطے سے خط و کتابت اور توقیع کے ذریعے امام زمانؑ سے مربوط تھے اس دعا کو انہوں نے اپنی کتاب میں بیان کیا جو بعد میں ان کے بیٹے کے ہاتھ پہنچی ۔علامہ مجلسیؒ نے زادالمعاد میں کہا ہے۔کہ یہ دعا امام جعفر صادؑق سے نقل ہوئی ہے۔(۵۵)اگر چہ بعض افراد نے اس احتمال کو رد کیا ہے اس بنا پر کہ اس دعا میں چند باتیں اور مطالب ایسے ہیں جو اس کے امام صادقؑ سے صادر ہونے منافی ہیں لیکن محققین پر واضح ہے کہ ان اشکالات کی توجیہ کی جاسکتی ہے کیونکہ اس قسم کی باتیں اور مطالب چند دیگر مقامات پر امام صادقؑ اور دوسرے آئمہ ہدیٰؑ سے نقل ہوئے ہیں۔(۵۶) ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دعائے ندبہ،معصوم امام سے نقل شدہ دعا ہے اور دعائے غیر ماثور نہیں ۔علاوہ ازیں جب ہم اس دعا کے مطالب پر غور کرتے ہیں تو روشن ہوتا ہے کہ یہ اعلیٰ وارفع مفاہیم اور روح پرور الفاظ اور نورانی وملکوتی مطالب کسی معصوم سے ہی صادر ہو سکتے ہیں یہ چیز مزید تاکید کرتی ہے یہ دعا آئمہ ہدیٰؑ میں سے کسی ایک سے نقل شدہ ہے ۔دُعائے ندبہ اپنے مطالب اور مفاہیم کے اعتبار سے اعلیٰ اور بہترین دعا ہے اسی لیے علماء اور محققین نے اسے اہمیت دیتے ہوئے اس پر حاشیے اور اس کی شرحیں لکھی ہیں۔اس میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے

۱۔شرح دعائے ندبہ تالیف : صدر الدین محمد حسنی مدرس یزدی ۲۔عقد الجمان لندبۃ صاحب الزمان، لامیر از عبدالرحیم تبریزی کے قلم سے

۳۔ وسیلۃ القربۃ فی شرح دعاء الندبۃ،شرح علی خوئی کے قلم سے

۴۔شرح دعائے ندبہ ملا محسن تربتی سبزواری۔

۵۔النخبۃ فی شرح دعاء الندبہ سید محمود مرعشی۔

۶۔شرح یا ترجمہ دعائے ندبہ سردار کابلی۔

۷۔معالم القربۃ فی شرح دعاء الندبۃ،محدث ارموی ۸۔وظائف الشیعۃ فی شرح دعاء الندبۃ، ادیب اصفہانی ۹۔کشف الکربۃ،محدث ارموی۔

۱۰۔نوید بامداد پیزوی،موسوی خرم آبادی۔

۱۱۔شرح وترجمہ دعائے ندبہ ، محبّ الاسلام ۔۱۲۔نصرۃ المسلمین،عبدالرضا خان ابراہیمی۔

۱۳۔فروغ الولایۃ ۔آیت اللہ صافی۔

۱۴۔الکمات النخبۃ ۔عطائی اصفہانی،

۱۵۔رسالۃ حول دعاء الندبۃ ۔محمد تقی تستری ۔۱۶۔رسالۃ دعاء الندبۃ ۔میر جہانی اصفہانی،

۱۷سند دعاء الندبۃ۔

۱۸۔شرحی بر دعائے ندبہ۔،علوی طالقانی۔

حوالہ جات

سورہ فاطر، آیت ۱۵	
سورہ محمد، آیت ۳۸	
سورہ علق، آیت ٦ ـ ۷	
سورہ بقرہ، آیت ۱۸٦	
سورہ مومن، آیت ٦۰	
ـ کلینی ،محمد بن یعقوب، الکافی ،ج ۲، ص ٦٦۴ باب فضل الدعاء دارلکتب الاسلامیہ تہران ۱۳٦۵ ہجری شمسی	
علامہ مجلسی، محمد اقر، بحارالانور، ج ۹۳، ص ۲۹۳	
علامہ مجلسی، محمد اقر، بحارالانور، ج ۹۳، ص ۳۰۰	
سورہ مومن، آیت، ٦۰	

حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے: انسان کے لیے چار چیزیں انجام دینا اس کے حق میں مفید ہے اور اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ ان میں سے ایک ایمان اور دوسری شکر ہے ارشاد خداوندی ہے۔"ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم "اگر تم شکر کرنے والے اور ایمان لانے والے بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نہیں کرے گا۔ سورہ نساء ۱۴۷۔ تیسری چیز استغفار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُونَ" اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں کرے گا اگر یہ توبہ اور استغفار کرنے والے ہوجائیں۔ انفال ـ ۳۳۔ اور چوتھی چیز دعا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:"قُلْ مَا یَعْبَؤُ بِکُمْ رَبِّی لَوْلَا دُعَاؤُکُمْ"، فرقان ۷۷ علامہ مجلسی ـ محمد باقر ،بحارالانوار ـ ج ۷ـ۹ ـ ص ۲۹۱	10
سورہ فرقان آیت ـ ۷۷	11
علامہ مجلسی ـ محمد باقر ،بحارالانوار ـ ج ۹۷ ـ ص ۲۹٦	12
حر عاملی ،محمد بن حسن ،وسائل الشیعہ ،ج ۴، ص ۱۰۹۴، ح ۸٦۳۹	13
طباطبائی محمد حسین ،المیزان، ج ۲، ص ۴۲، پر تفسیر درمنثور	14
سورہ اعراف، آیت ۲۳	15

17	شیخ صدوق، محمد ابن بابویہ، کمال الدین، ص، ۳۴۲، علامہ مجلسی، محمد اقر، بحارالانوار، ج، ۵۲، ص، ۱۴۶، ح، ۷۰
18	علامہ مجلسی محمد باقر بحارالانوار، ج، ۵۲، ص، ۱۴۸، ح، ۲۳
20	علامہ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج، ۸۶، ص، ۶۱
21	کفعمی، ابراہیم بن علی، الابلد الامین ۔ص۸۲ چاپ سنگی
22	قمی شیخ عباس، مفاتیح الجنان، ص ۱۶۶
23	علامہ مجلسی، محمد باقر بحارالانوار، ج، ۵۳، ص، ۱۸۷، ح، ۱۸
24	بن طاؤوس، سید رضی الدین علی، مہج الدعوات، کتاب دعا اور اہلبیتؑ، مؤلف، آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی ناشر مجمع جہانی اہلبیتؑ، کے صفحہ، ۴۱۱ پر پر نقل ہوا ہے۔
25	آغا بزرگ طہرانی محسن :الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج، ۸، ص، ۱۷۴
26	آصفی، محمد میری، دعا اور اہلبیتؑ ۔ص ۴۱۵، مجمع جہانی اہلبیتؑ ۲۰۰۶ء
27	آغا بزرگ طہرانی محسن: الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج، ۲، ص، ۲۶۵
28	آغا بزرگ طہرانی محسن: الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج، ۲، ص، ۲۶۴
29	آصفی، محمد مہدی: دعا اور اہلبیتؑ ۔ص، ۴۱۲، مجمع جہانی اہلبیتؑ ۲۰۰۶ء

30	بنروفری کی کتاب جس میں دعائے ندبہ نقل ہوئی ہے وہ دسترس میں نہیں ہے بلکہ صاحب مزار کبیر اور ابن طاؤوس کی دسترس میں بھی نہیں تھی۔
31	ان کی کتاب بھی موجود نہیں ہے ابن طاؤوس کی کتاب مصباح الزائز اور ابن مشہدی کی کتاب مزار کبیر میں اس دعا کو ان کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے
32	بن مشہدی ۔مزار کبیر، ص، ۵۷۳ ۔دعا ۱۰۷
33	ابن طاؤوس سید رضی الدین بن طاؤوس: مصباح الزائر ۔ص۳۳۴ نسخہ خطی، اقبال الاعمال ص، ۲۹۵ سے ۲۹۹
34	علامہ مجلسی، محمد باقر: زاد المعاد ۔ص ۔۳۹۴ ۔تہران ۱۳۲۱
35	ابن طاؤوس: سید رضی الدین علی بن طاؤوس۔ مصباح الزائرص، ۳۳۴ نسخہ خطی
36	علامہ مجلسی، بحارالانوار، ج، ۹۹، ص ۱۰۴ سے ۱۱۰ تک
37	ابن طاؤوس سید رضی الدین بن طاؤوس: مصباح الزائر ۔ص ۴۵۳
38	ابن طاؤوس سید رضی الدین بن طاؤوس: اقبال الاعمال ۔ج، ۱، ص ۵۰۴
39	علامہ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۹۹، ص، ۱۱۰
40	آغا بزرگ طہرانی، محسن ۔الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ۔ج ۔۲۰، ص، ۳۲۴
41	حاجی نوری، میرزا حسین: مستدرک الوسائل، ج ۳، ص ۳۶۸

42	مزار کبیر۔ کے مقدمے میں خطبے کے بعد یوں تحریر ہے ''**فانی قد جمعت فی کتابی ھذامن فنون الزیارات المشاھد وماوردفی الترغیب فی المساجد المبارکات والادعیہ المختارات ۔۔۔مماتصلت بہ من ثقات الرواۃ السادات** '' مستدرک الوسائل ج،۳ ص،۳۶۸،اور الذریعہ ج۲۰۔ص۳۲۴ سے نقل کی بنا پر
43	حاجی نوری میرزا حسین۔مستدرک الوسائل ،ج۳ص،ج،۳،ص،۳۶۸ ،
44	خوئی،ابوالقاسم،معجم الرجال،ج۱۷،ص،۲۵۹
45	حاجی نوری میرزا حسین،مستدرک الوسائل ، ج،۳،ص،۳۶۸
46	رضوانی،علی اصغر۔موعودشناسی و پاسخ بہ شبہات ص۴۹۲،انتشارات مسجد جمکران۱۳۸۴ہجری،شمسی
47	نجاشی ،احمد بن علی رجال النجاشی ۔ص ۲۸۳،جامعہ مدرسین ۱۴۰۷ہجری
48	خوئی،ابوالقاسم،معجم الرجال،ج۱۷،ص،۹
49	ابن طاؤوس سید رضی الدین بن طاؤوس: مصباح الزائر۔ص۴۴۱

50	شیخ صدوق،محمد بن،من لایحضر الفقیہ ج۲،ص ۵۷۲ ۵۷۴ اور علامہ مجلسی،محمد باقر،بحارالانوار ج،۹۷،ص،۱۹۶۔ح،۱۳،
51	ابن طاؤوس سید رضی الدین بن طاؤوس: اقبال الاعمال ۔ص۱۱۵
52	بن طاؤوس سید رضی الدین بن طاؤوس: اقبال الاعمال۔ص۳۰۵
53	بن طاؤوس سید رضی الدین بن طاؤوس :مہج الدعوات۔ص،۳۰۲،۳۳۶،۳۴۸اور،امان الاخطار،ص۱۷
54	مشہدی ،شیخ محمد بن جعفر بن علی مزار کبیر ص،۱۶،
55	۔منتخب الاثر باب،۳،فصل،۱۰،ج،۴،ص۱۴۰

یہ تفسیر دنیائے اسلام کی عظیم اور گرانقدر علمی تالیفات میں سے ایک ہے اور قرآن کے متعلق مکتب اھل بیتؑ کے ایک عظیم سپوت کی اعلیٰ تحقیقی وعلمی خدمت ہے جو معقول ومنقول ، اصول و فروع، ادب ونحو اور لغت و بلاغت کے تمام فنون و علوم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہر دور کے علم دوست اور قرآنی تعلیمات سے لگاؤ رکھنے والے

التبیان فی تفسیر القرآن

حجۃ الاسلام سید رمیز الحسن موسوی

افراداور علماء کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔

''تفسیر التبیان'' کی اہمیت اس وجہ سے بھی بہت زیادہ ہے کہ یہ شیعہ کی پہلی علمی و جامع تفسیر ہے اور ایک ایسے عالم ومفسر کی تحریر وقلمی کاوش ہے جو تفسیر قرآن لکھنے اور ایک مفسر قرآن ہونے کی تمام علمی شرائط پر پورے اُترتے تھے۔شیخ طوسی ایک ایسے مفسر ہیں کہ جو نحو وصرف، لغت، معانی وبیان، بدیع وکلام، فقہ اصول، علم حدیث، فلسفہ ومنطق اور علم الہیٰات سے پوری طرح آگاہ تھے اور ایک مفسر کے لیے ان سب علوم پر مہارت تامہ رکھنی لازمی ہے اور شیخ طوسیؒ میں یہ مہارت بدرجہ اتم موجود تھی۔لہذا اسی وجہ سے آج صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ''التبیان'' اپنے علمی رعب ودبدبے کے ساتھ علمی حلقوں میں پہچانی جاتی ہے۔اور ہر زمانے کے علماء اس تفسیر کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔علامہ طبری'' کی جامع البیان'' شیخ طوسی سے پہلے تنہا ایک ایسی تفسیر تھی کہ جس میں نقل روایات اور معانی ولغات کی وضاحت کے علاوہ روایات واقوال کے نقد اور تحلیل وتجزیہ پر بھی خاص توجہ دی گئی تھی لیکن ''تفسیر التبیان'' میں شیخ طوسیؒ پہلی بار تفسیر قرآن میں اقوال وروایات اور تفسیری آراء پر سنجیدگی کے ساتھ علمی انداز میں نقد وتحلیل کر کے تفسیر کو فقط نقل اقوال اور روایات کے دائرے سے باہر نکالتے ہیں کہ جو بعض اوقات باہمی تضاد پر مبنی ہوتی ہیں۔لہذا شیخ پہلی بار اقوال و روایات کے تحلیل وتجربے میں عقلانی روش اختیار کرتے ہیں اور روایات اور تفسیری اقوال کو عقل کی کسوٹی پر، پرکھتے ہیں[1]۔ شیخ طوسیؒ کی ''تفسیر التبیان کے بارے میں آغا بزرگ تہرانی لکھتے ہیں:''**هوأولُ تفسير جمع فيه مثولفه انواع علوم القرآن۔۔۔**''

''التبیان پہلی تفسیر ہے کہ جس میں اُسکے مؤلف نے علوم قرآن کی انواع واقسام جمع کی ہیں''''الفوئد الرجالیہ''میں علامہ سید مہدی بحر العلومؒ لکھتے ہیں:''۔اور تفسیر میں (شیخ طوسیؒ) کی کتاب التبیان ہے کہ جو تمام قرآنی علوم کی جامع

تفاسیر میں انتہائی گرانقدر عظیم اور بینظیر کتاب ہے۔ شیخ طبرسی جو کہ خود مفسرین کے پیشوا سمجھتے جاتے ہیں، نے اپنی تالیف ''مجمع البیان'' میں اس بحرِعلم سے استفادہ کیا ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ علامہ بحرالعلومؒ مزید لکھتے ہیں:

اور شیخ محقق محمد بن ادریس متوفی ۵۹۸ھ جو کہ شیخ الطائفہ سے بہت سے (علمی موارد) میں اختلاف رکھتے تھے۔ اور اُنکی بڑی بڑی آراء کو رد کرتے رہے۔۔ لیکن ''التبیان'' کے آگے وہ بھی خاموش ہوجاتے ہیں اور اُسکا علمی استحکام وبنیاد دیکھتے ہوئے اُسکی عظمت وشأن کا اعتراف کرتے ہیں۔ [۲] عظیم مفسر قرآن شیخ طبرسی ''التبیان'' کے بارے میں یُوں اظہار نظر کرتے ہیں: ''تفسیر التبیان ایک ایسی کتاب ہے جس سے نورحق کی روشنی پھیل رہی ہے اور سچائی وصداقت کی خوشبوآتی ہے، جو نادر معانی اور اسرار کی حامل اور وسیع ادبیات ولغات پر مشتمل ہے۔ اُس کے مولئف نے مطالب بیان کرنے میں اُن کی تفسیر وتوضیح اور تحقیق وجستجو کے بغیر قناعت نہیں کی۔ ''تبیان'' ایک ایسی راہنما (کتاب) ہے کہ جس کے ''انوار'' سے میں نے استفادہ کیا ہے اور اُسی کی روش وطریقے پر اس کتاب (مجمع البیان) میں قدم اُٹھاتے ہوئے مطالب قلم بند کیے ہیں''۔[۳] اپنی اس تفسیر کے آغاز میں اس تفسیر کی تالیف کے علل واسباب اور اس میں اپنی روش کے سلسلے میں شیخ طوسیؒ لکھتے ہیں: ''جس چیز نے مجھے اس کتاب (التبیان) کی تالیف پر آمادہ کیا وہ یہ تھی کہ میں نے اپنے قدیم وجدید اصحاب (علما وشیعہ) میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ جس نے کوئی ایسی کتاب فراہم کی ہو جو تمام قرآن کی تفسیر پر مشتمل ہونے کے علاوہ اُس کے تمام فنون اور معانی پر جامعیت کی حامل ہو۔ گذشتہ علما میں سے بعض نے کچھ روایات کو مکمل کوشش وسعی کے ساتھ اور اُن کی توضیح وتفسیر کے بغیر (جہاں تک ہوسکا) کتب حدیث سے نقل کر کے جمع کیا ہے۔ اور بعض دوسروں نے آیات کی تفسیر بھی کی ہے لیکن اُنھوں نے بھی طبری وغیرہ کی طرح معانی قرآن میں بات بہت طویل کرتے ہوئے اُس کے فنون کے بارے میں جو کچھ ہاتھ لگا وہی نقل کردیا ہے اور بہت سے دوسرے اصحاب نے اُنکے معانی کی وضاحت پر بھی اکتفا کرتے ہوئے اختصار کی راہ اپنائی ہے باقیوں نے راہ اعتدال اختیار کرتے ہوے جو کچھ سمجھے ہیں نقل کردیا ہے اور جسے نہیں جان سکے اُسے چھوڑ دیا ہے۔ الزجاج اور فراء اور انہی جیسے

دوسرے نحویوں نے اپنی تمام تر سعی وکوشش قرآن کے نحوی ادبی اور صرفی ، پہلو پر صرف کر ڈالی اور متکلمین میں سے ابوعلی الجبائی جیسے لوگوں نے قرآن کے کلامی مباحث پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھی اور چند دوسرے افراد نے بعض دوسرے فنون کی جانب مائل ہوتے ہوئے بلخی وغیرہ کی طرح تفسیر میں نامناسب مطالب مثلاً فقہی فروعات کی لمبی چوڑی ابحاث اور فقہاء کے اختلاف کو داخل کر دیا ۔اس سلسلے میں بہترین اور اچھی راہ اعتدال جن لوگوں نے اختیار کی وہ محمد بن بحر، ابومسلم اصفہانی اور علی بن عیسی رمانی ہیں کہ اُن کی کتابیں اس علم (تفسیر) میں بہترین تالیفات ہیں لیکن اُنھوں نے بھی کلام کو طول دیتے ہوئے بہت سی غیر ضروری چیزیں لے آئے ہیں جن کی احتیاج نہیں تھی ۔میں نے اپنے اصحاب (علمائے شیعہ) کے بارے میں سُنا ہے کہ وہ عرصہ دراز سے ایک ایسی تفسیر کے خواہش مند تھے ۔کہ جو اعتدال کے ساتھ ساتھ تمام علوم وفنون قرآن مثلاً قرائت ، معانی آیات ، اعراب ، متشابہ آیات کے بیان ملحدین کے اعتراضات کے جواب ، جبریوں اور باطل عقائد وافکار کے حامل فرقوں، مثلاً مشبہ ، مجبرہ اور مجسمہ جیسے گروہوں کے جوابات پر مشتمل ہونے کے علاوہ مذہب اہل بیتؑ کے فروع و اُصول کے مطابق علماء کے آیات قرآن سے استدلال پر مبنی ہو۔اور میں انشاء اللہ اس مقصد کی خاطر قرآن کے فنون میں اختصار وایجاز کے ساتھ (اس تالیف) کا آغاز کر رہا ہوں کہ جو نہ اسقدر طویل ہوگا کہ قاری کو تھکا دے اور نہ اسقدر مختصر کہ اُسے معانی و مطالب کے سمجھنے میں دقت ہونے لگے ۔۔اور خداوند سے مدد و ہدایت کا طلب گار ہوں کہ وہ ہمیں رشد وہدایت فرمائے انشاء اللہ تعالیٰ ۔[۴] شیخ طوسیؒ اپنی روش تفسیر میں عقلی ادلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آیات کی تفسیر میں مفسرین میں سے کسی ایک مفسر کی تقلید نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایسے قول کو انتخاب کرنا چاہیے جس پر سب مفسرین کا اجماع قائم ہو اور اسی اجماع کی وجہ سے اُس قول کی پیروی لازمی ہو جاتی ہے چونکہ مفسرین میں سے کچھ کی روش قابل ستائش ہے جیسے ابن عباس ،الحسن ،قتادہ ،اور مجاھد وغیرہ ہیں اور کچھ مفسریں کی روش قابل مذمت ہے مثلاً ابی صالح ،السدی ،اور کلبی وغیرہ یہ تو پہلے طبقے کی بات تھی ، رہی بات متاخرین کی تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے ہی مذھب اور طریقے کو تقویت بخشی ہے وراسی کی بنیاد پر آیات کی تاویل کی ہے۔ان

میں سے کسی ایک کی بھی تقلید جائز نہیں بلکہ صحیح ادلہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے خواہ وہ صحیح دلائل عقلی ہوں یا شرعی مثلاً اجماع اور متواتر روایت کہ جن کی پیروی ضروری ہے اس سلسلے میں خبر واحد قابل قبول نہیں خاص کر علم کے سلسلے میں اور جب کبھی کسی آیت کی تاٴویل کے لیے لغت کی گواہی و شہادت ضروری ہو تو چاہیے کہ ایسی لغت کو قبول کیا جائے جو اہل لغت کے درمیان معروف ہو اور خبر واحد و نادر الفاظ کو خدا کی کتاب میں گواہ و شاہد کے طور پر پیش نہیں کرنا چاہیے چونکہ ان سے یقین و قطع حاصل نہیں ہو سکتا۔۵

تفسیر التبیان کی چند اهم خصوصیات: ا۔شیخ طوسیؒ کی تفسیر التبیان میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آیات کی تفسیر میں عقلی ادلہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے اور پہلی دفعہ اس تفسیر میں عقلی ادلہ وسیع پیمانے پر قرآنی معانی و مفاھیم کی تفسیر میں استعمال کی گئی ہیں جبکہ اس سے پہلے کے مفسرین فقط نقلی دلائل پر ہی اکتفا کرتے تھے۔لہذا شیخ نے قرآن کے معانی و مفاھیم کی توضیحات اور وضاحت اور مختلف نظریات و مذاھب کے شبھات و اعتراضات کو اور شیعہ امامیہ کے عقائد و افکار پر ہونے والے اشکالات کو عقلی ادلہ کے ساتھ رد کیا ہے اور بعض مفسرین کے کائنات کے بارے میں علمی مسائل میں غلط افکار کو بھی عقلی دلائل و براھین کے ساتھ رد کرتے ہوئے بہت سی خرافات و غلط نظریات کی قرآنی نقطہ نظر سے عقلی دلیل کے ساتھ تردید کی ہے ۔مثلاً ابوعلی جبائی ، زمین کی عدم کرویت کا معتقد تھا اور قرآن کی ایک آیت سے اپنے نظریے کی تائید میں استدلال کرتے ہوئے زمین کے کروی نہ ہونے پر دلیل قائم کرتا تھا وہ یہ کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ''**الذی جعل لکم الارض فراشاً**'' آیت۲۲سورہ بقرہٴ یعنی زمین کروی نہیں چونکہ قرآن میں زمین کو فراش سے تعبیر کیا گیا ہے لہذا علی القاعدہ زمین کو منبسط اور پھیلا ہوا ہونا چاہیے نہ کہ کروی کیونکہ ''**والکرۃ لاتکون مبسوطة**'' یعنی کرہ مبسوط نہیں ہوتا اور عقل بھی ان لوگوں کے عقیدے کی تائید نہیں کرتی کہ جو کہتے ہیں زمین کروی ہے۔ ''**لان الارض لا یجوز انْ تکون کرویۃمع البحار فیھا**''

چونکہ پانی اس جگہ ٹھہر سکتا ہے جو مسطح ہو نہ کہ کروی جگہ پر ۔پس زمین پر سمندر و بحر کا وجود دلالت کرتا ہے کہ زمین کروی نہیں بلکہ مسطح ہے۔لیکن شیخ

پانچویں صدی ، ہجری میں ابوعلی جبائی کے اس نظریئے کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ **"ان قول من قال الارض كروية ، معنا ہ ان لجميعها شكل الكرة ۔"** یعنی"جوزمین کے کروی ہونے پر قائل ہے اُس کی مراد یہ ہے کے زمین جمعاً کرہ کی شکل میں ہے۔" اور پوری زمین کا کروی ہونا ، اس چیز کے منافی نہیں کے اُس پر بحر و دریا نہیں بہہ سکتے ۔ایک دوسرے مقام پر شیخ طوسیؒ عقلی استدلال کے ساتھ بادلوں کے بخارات کے ذریعے زمین سے آسمان کی جانب جانے کو ممکن قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عقلی وسمعی دلیل اس امر کے بارے میں مانع نہیں ہے۔٦

٢۔ دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ شیخ طوسیؒ نے التبیان میں صرفی ونحوی بحث بھی کی ہے اور بہت سے موارد میں اس بارے میں سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

٣۔تفسیر التبیان کی ایک اور خصوصیت اس کی لغوی ابحاث ہیں اور کلمات کے درمیان فرق اور مختلف لغات و الفاظ کی تحقیق ہے جو کہ انتہائی قیمتی اور فائدہ مند ہے اور تفسیر کے محققین اور دینی طلاب کے لیے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے ۔٤۔ایک دوسری خصوصیت تفسیر التبیان میں امثال کا وجود ہے کہ بعض مقامات پر کسی آیہ کے ذیل میں ایک مناسب مثال لاتے ہیں کہ جو مطلب کی وضاحت میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے مثلاً آیت:"**قلنا يا آدم اسكن انت و زوجك الجنة**"(آیت٣٥،بقرہ) کے ذیل میں معنی جنت کے بیان کے ضمن میں لکھتے ہیں: "**الجنة هی بستان من بساتين الدنيا لان جنة الخلد لا يصل اليها ابليس و وسوسته**" یعنی آیت میں وہ جنت سے مراد اسی دنیا کو لیتے ہیں اور اسی جہان کے باغوں میں سے ایک باغ کو جنت شمار کرتے ہیں چونکہ جنت خلد تک شیطان اور اسکے وسواس کی رسائی ناممکن ہے ۔" نیز کلمہ زوج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں زوج تاء کے بغیر فصیح وافصح ہے اور مبرّد کے شعر سے مثال لاتے ہیں:

" وارا كم لدى المحاماة عندى مثل صوت الرجال للازواج "

یہاں لفظ ازواج کو زوج کی جمع جانا گیا ہے۔٧

تفسیر التبیان کی طباعت

تفسیر التبیان کے نسخے ١٣٦٥ھ تک مختلف کتابخانوں میں پراگندہ پڑے تھے ،اس دوران

آیت اللہ سید محمد حجت کوہ کمری نے ہمت کی اوران اجزا کو یکجا جمع کیا اور چند علماء کے ذریعے تصحیح کے بعد التبیان دو بڑی جلدوں میں جن میں سے ایک تقریباً ۹۰۰ صفحات پر مشتمل تھی ،۱۳۶۵ھ میں شائع ہوئی ۔تفسیر التبیان کی دوسری طباعت دس جلدوں میں ہے۔یہ طباعت جناب احمد حبیب قصیر العاملی کی تحقیق وتصحیح اور حواشی کے ساتھ ہوئی ہے اور جلد اول کے شروع میں علامہ محقق شیخ بزرگ آغا تہرانی ؒ کے قلم سے مولف مرحوم کے حالات زندگی تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں ۔اس طباعت میں متن کی تصحیح وتحقیق کے علاوہ پُر ارزش حواشی کا اضافہ قابل قدر ہے کہ جن میں مواضع آیات ،اشعار ،نسخہ کا اختلاف اور بعض الفاظ کی لغوی وضاحت شامل ہے ہر جلد کے آخر میں فنی فہرستوں کے اضافے نے اس کی طباعت کی قدرومنزلت میں مزید اضافہ کر دیا ہے ،ان میں کتاب میں مذکور احادیث کی فہرست اور اُن انتقادات واعتراضات کی فہرست کہ جو شیخ طوسی نے اس کتاب میں مختلف مفسرین ،متکلمین کے افکار ونظریات پر کئے ہیں ۔اس کے علاوہ امثال اور لغوی مباحث کی فہرست شامل ہے ۔اور آخر میں دسویں جلد کے خاتمے پر اشعار کے قافیوں کی فہرست بھی دی گئی ہے کہ جو دس جلدوں میں آئے ہیں ۔تفسیر التبیان کی یہ قیمتی اور گرانقدر طباعت ،'' دار احیاء التراث العربی بیروت '' کی جانب سے ہوئی ہے ۔اس کے علاوہ حالیہ سالوں میں جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم ،ایران کی جانب سے بھی ایک شایان شان طباعت کا آغاز ہو چکا ہے کہ جس کی چند جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

حوالہ جات

	مجلّہ حوزہ،شمارہ مسلسل ۱۹،ص ۶۶
	حیاۃ الشیخ طوسی از مقدمہ تفسیر التبیان،صفحہ ق
	مجمع البیان،مقدمہ ج ۱،ص ۱۰
	تفسیر التبیان،سرآغاز،ص ۱
	ایضاً،ج ۱،ص ۶
	دا رۃالمعارف الاسلامیہ الشیعیہ ، ج ۳، جز حادی عشر،ص ۶۰
	مجلّہ کیھان اندیشہ،شمارہ ۱۲،ص ۸۰

تقریباً ۲ صدی قبل برصغیر میں علمی ،ادبی ،اور دفتری زبان فارسی تھی اردو ابھی ابتدائی مراحل میں تھی ۔ ہر پڑھا لکھا شخص فارسی بول ، پڑھ اور لکھ سکتا تھا۔ اس لیے علمی کام فارسی زبان میں ملتا ہے جب اردو نے پروان چڑھنے لگی تو اہل علم دنیا سے بھی اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا ۔کیونکہ اردو زبان کی تاریخ اتنی پرانی نہیں ہے اس لیے زبان میں تحریر شدہ کتاب

علمائے امامیہ کی اردو زبان میں تفسیری خدمات

سید نثار علی ترمذی

کی تعداد بھی اتنی زیادہ نہیں جتنا کہ دیگر زبانوں میں کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔تفسیر۔لغت میں پردہ ہٹانے اور چہرہ کھولنے کو تفسیر کہتے ہیں ۔جب کہ اصطلاحی معنی قرآن مجید کے معانی ومطالب کو لغت واعراب ونکات بیان کرنا تفسیر ہے۔تفسیر کے تین مرحلہ ہیں پہلا مرحلہ عربی متن کا اردو ترجمہ ہے۔یہ لفظی بھی ہوسکتا ہے اور بامحاورہ بھی۔دوسرا ترجمہ کے ساتھ بعض آیات کی مختصر تفسیر یا وضاحت جسے حاشیہ کہتے ہیں۔تیسرا ترجمہ کے ساتھ ساتھ آیات کی مکمل تشریح بھی کرنا جسے عرف عام میں تفسیر کہتے ہیں۔ہمارے اس موضوع میں تینوں قسم کے تفسیر و تراجم شامل ہیں۔بعض اہل نظر نے ترجمہ کو تفسیر میں شامل نہیں کیا لیکن عربی سے دوسری زبان میں ترجمہ کو تفسیر اس لیے قرار دینا چاہیے کہ اس میں قرآن مجید کے الفاظ سے پردہ اٹھا کر غیر عرب کو مطالب کے چہرے دکھائے جاتے ہیں۔قرآن مجید کی مکمل تفسیر آج تک نہیں لکھی گئی،آیئے ہم ان تفاسیر کا جائزہ لیتے ہیں جو اردو زبان میں سرزمین پاک وہند پر لکھی گیں۔ان میں بعض عوام کی دسترس میں نہیں ہیں لیکن ارتقائی سفر میں ان کا شمار ہوتا ہے۔انقلاب اسلامی کی برکات سے اہم تفاسیر کا اردو تراجم ہوئے جن کا مختصر سا تعارف بھی پیش کریں گے۔اگرچہ علماء کرام نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں اور آیات کی تفسیر بھی کی ہیں جو کہ کتابی صورت میں شائع بھی ہوئی ہیں مگر طوالت موضوع کے خدشہ کے پیش نظر ان کا تذکرہ نہیں کیا جارہا۔

۱۔توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید

تالیف وتفسیر:سید علی ابن سید ابن دالدار علی گفران
سند اشاعت :۱۲۵۷ھ لکھنو توضیح مجید ،عارفانہ وموالیانہ قسم کی تفسیر ہے۔فضائل اہل بیتؑ کے اثبات واشارات پر گفتگو کی ہے۔

۲۔کلام اللہ

ترجمہ:مولانا فرمان علیؒ سنداشاعت:۱۳۲۷ھ
نور مطبع لکھنو ترجمہ میں بکثرت الفاظ قوسین میں تحریر کیے گئے ہیں۔جن میں اسے مختصر تفسیر کی حثیت دے دی ہے۔اگرچہ عام طورر پر اسے ترجمہ ہی کہا جاتا ہے۔
یہ ترجمہ وحواشی،فہرست وعناوین مطالب اور عام فہم زبان کی بدولت بےحد پسند کیا گیا ہے۔
متعدداس کے کئی ایڈیشن شائع کر چکے ہیں

۳۔ تفسیر المتقین

مفسرترجم:سیدامدادحسین کاظمی:
سنداشاعت:۱۳۸۱ھ انصاف پبلشنگ کمپنی لمٹیڈ لاہور:اس میں مفسر نے ترجمہ کے ساتھ تھوڑا مفصل حاشیہ تحریر کیا ہے سلیس زبان اوراہل بیتؑ کی شان میں مناظرے کا رنگ لیے ہوئے ہے۔
اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۴۔ ترجمہ و حواشی و ضمیمہ قرآن مجید

مفسرومترجم مولانا مقبول احمد دہلوی
سنداشاعت:۱۳۳۱ھ لکھنو
دراصل مجموعی طور پر یہ ایک تفسیر ہے۔
جسے اجزاء میں الگ الگ چھاپ کر یکسانیت ختم کر دی گئی مثلاً بڑی تقطیع پر عمدہ کتابت۔پھر بین السطور ترجمہ اور طویل حواشی نیز ان حواشی کی بقیہ عبارت کو بطور مستقل ضمیمہ کی صورت میں الگ سے شائع کیا گیا۔ماضی بعید میں یہ ضمیمہ حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔بعد میں حاشیے سے بہت کچھ حذف کر کے ۱۹۲۵ء میں افتخار بک ڈپو لاہور سے شائع ہوا یہی ایڈیشن بار بار چھپتا رہا۔

۵۔ ضیاء القران

ترجمہ حواشی،سید زیرک حسین امروہی۔
سنداشاعت: ۱۳۳۱ھ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی
حواشی میں فضائل آئمہ کے علاوہ تعویذات وغیرہ درج ہیں سورتوں وآیات کے فضائل اوران کے مقررہ ترتیب سے پڑھنے پر عجیب وغریب اثرات درج ہیں۔مصباح القران نے اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

۶۔ ترجمہ و حواشی قرآن

ازحاجی سید مجاور حسین رضوی سن اشاعت ۱۳۹۴ھ
پیر کالونی کراچی ۹۴۴ صفحات پر مشتمل شائع کیا گیا ہے بمعہ متن

۷۔ توضیح القران

ترجمہ وحواشی مولانا محمد صادق
سنداشاعت:۱۹۴۴ء
مجاہد بک ڈپو لکھنو ۹۶۰ صفحات پر مشتمل

متن وترجمہ وحواشی قرآن مجید ہے

۸۔عمدہ البیان

مفسر: مولانا الحاج دسید عمار علی سونی ۔ پتی فاضل لکھنو سند اشاعت ۱۲۹۰ھ مطبع پنجابی لاہور۔

۹۔ فصل الخطاب

مفسر سید اعلماء علی نقی نقوی

: سند اشاعت اس تفسیر کی پہلی جلد ۱۴۰۲ھ میں ثمر بک کشمیر (مقبوضہ) ہندوستان سے شائع ہوئی۔ بعدازاں اس جلد کو ادارہ ترویج علوم اسلامیہ کراچی نے 1986ء کو شائع کیا۔

مگر ''مصباح القران ٹرسٹ'' لاہور نے مکمل تفسیر سات جلدوں میں شائع کی ۔ سید اعلماء کا ترجمہ بہت معیاری ہے مگر تفسیر ایک ''حاشیہ'' جیسی ہے اس کی اہمیت مفسر اور ترجمہ کی وجہ سے ہے۔

۱۰۔ تفسیر القرآن

مفسر مولانا ظفر حسن امروہی سند اشاعت :۱۴۰۳ھ شمیم بک ڈپو کراچی یہ تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے ۔اس کی زبان عام فہم اور سادہ مگر اسے زیادہ پزیرائی نہ ہوسکی ۱۱۔ **تفسیر انوار النجف**

مفسر علامہ حسین بخش جاڑا نجفی مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر یہ تفسیر ۱۴ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد مقدمہ پر محیط ہے جبکہ تیرہ جلدوں میں تفسیر قرآن مجید ہے ۔اس میں بہت زیادہ غیر ضروری مواد شامل کر دیا گیا ہے مثلاً اگر روزہ کے بارے میں آیت ہے تو صفحہ کے صفحہ روزہ کے فقہی مسائل درج کر دیے ہیں لیکن اس کے باوجود اسے خاصی پذیرائی ملی۔

۱۲۔ انوار القرآن

علامہ ذیشان حیدر جوادی اسے تنظیم المکاتب لکھنو اور مصباح القران ٹرسٹ لاہور نے شائع کیا۔

عربی متن یکجا اور ترجمہ یکجا ہے ۔جبکہ اہم الفاظ اور آیت کی تشریح کی گئی ہے ۔زبان کی سادگی اور منفرد انداز کے حوالے سے امتیاز حاصل ہے۔

۱۳۔ تفسیر فیضان الرحمن

مفسر: علامہ محمد حسین نجفی مکتبہ سبطین سرگودہا۔

یہ چھ جلدوں پر مشتمل تفسیر ہے پہلے ایڈیشن میں بہت زیادہ اغلاط تھیں ۔مگر بعد از ضروری اصلاح کے بعد شائع کی گئی صرف مفسر کے حلقہ اثر کے لوگوں میں معروف ہے

۱۴۔ تفسیر کوثر

علامہ شیخ محسن علی نجفی: جامعۃ اہلبیتؑ

اسلام آباد اور امامیہ پبلیکیشنز لاہور : نے شائع کیا پہلے تو قرآن مجید بمع ترجمہ وحواشیہ طبع ہوا ہے جسے عوامی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔اب

تفسیر الکوثر کے نام سے تفسیر منظر عام پر آئی ہے جس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تازہ ہوا کا جھونکا ہے اور علامہ صاحب نے فرض کفائی ادا کیا ہے۔

۱۵۔احسن الحدیث

ملک کے معروف مقرر مفسر طالب جوہری نے احسن الحدیث کے نام سے تفسیر تحریر کی ہے جس کی اب تک دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ دوسری جلد میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۹ تک کی تفسیر شامل ہے۔اس تفسیر کو ''باب العلم'' نشاط کالونی آر۔اے بازار لاہور نے شائع کیا۔

فارسی سے اردو زبان میں:

تراجم گو کہ یہ موضوع ہماری اصل بحث سے مطابقت نہیں رکھتا مگر اس پر مختصر اظہار خیال اس خلا کو پر کرنے میں معاون ثابت ہوگا جو اردو زبان میں تفسیری مواد کی کمی سے پیدا ہوا ہے۔

۱۔ تفسیر نمونہ

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی نے ایران میں ایک ماڈل تفسیر بنام '' **تفسیر نمونہ** '' ایک اہل علم کی جماعت کے تعاون سے تحریر کی۔
اس کی ۲۷ جلدیں ہیں ملک خداداد پاکستان کے معروف عالم دین علامہ **صفدر حسین نجفی** ؒ نے اس کا ترجمہ کیا اور مصباح القرآن ٹرسٹ نے اسے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔اس تفسیر نے اپنی مقبولیت کے ریکارڈ قائم کئے۔اس تفسیر نے مکتب تشیع کا سر فخر سے بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا اسے بجا طور پر ''نمونہ'' کہا جا سکتا ہے۔اس تفسیر کو اب پندرہ جلدوں میں بھی شائع کیا گیا ہے۔

۲۔ تفسیر موضوعی

یہ بھی آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کی ترتیب شدہ ہے اس کا ترجمہ بھی مولانا صفدر حسین نجفی ؒ نے کیا اس کی دس جلدیں ہیں اس میں مختلف موضوعات پر قرآنی آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔

۳۔ تفسیر المیزان

عظیم مفسر اور فیلسوف آیت اللہ محمد حسین۔ طباطبائی ؒ کی مایہ ناز تفسیر ''المیزان'' جسے اہل علم نے بہترین تفسیر قرار دیا ہے اس کی دو جلدوں کا ترجمہ جناب حسن رضا الغدیری نے کیا ہے۔یہ تفسیر بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ تفسیر نور

یہ استاد محسن قرائتی کی تحریر کردہ ہے جس کی سولہ جلدیں ہیں۔اس کی پہلی چھ جلدوں

کا ترجمہ مولانا محمد علی فاضل نے شائع کیا۔ جب کہ چند سورتوں کا ترجمہ مولانا محمد علی ترمذی نے کیا ہے۔ جنھیں ادارہ ''البیان'' نے شائع کیا ہے۔

۵۔ تفسیر راھنما

اس کی چھ جلدوں کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے جسے ایران کے سابقہ صدر ہاشمی رفسنجانی نے تحریر کیا ہے۔

نوٹ: اردو تفاسیر کا مختصر سا جائزہ پیش کیا ہے۔

اگر اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر موجود ہے۔

تو اسے قارئین سامنے لائیں۔

تا کہ ریکارڈ مکمل ہو سکے پاکستان کے علماء کی ذمہ داری ہے ۔ کہ ایک ایسی تفسیر قرآن مجید کی پیش کریں جو علاقے کے معروضی تقاضوں کے مطابق ہو اور جسے امت مسلمہ کے سامنے اپنے علمی تفاخر کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

☆☆☆☆☆

یکی از مطبوعات

نور الھدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) **اسلام آباد**

سادات کالونی، بارو کہو، اسلام آباد فون: 051 2231937